- تصوف کے چشمۂ صافی کو کیسے ایک جوہڑ بنا دیا گیا؟
- ارباب تصوف روافض اور سبائیوں کی دسیسہ کاریوں سے کیوں آگاہ نہ ہو سکے؟
- تصوف کے اصول و مبادی کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھنا کیوں چھوڑ دیا گیا؟
- خانقاہیں ایزد پرستی کی درس گاہوں کے بجائے شخصیت پرستی کا مرکز کیسے بن گئیں؟

ان سب سوالوں کے جواب

اور

تصوف کی تاریخ کے حقیقت پسندانہ اور بے لاگ تجزیئے کے لئے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم

کی معرکۃ الآراء کتاب

''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش''

کا مطالعہ کیجئے!

عمدہ کمپیوٹر کمپوزنگ، دیدہ زیب ٹائٹل، صفحات: 124، قیمت: -/48 روپے

ملنے کا پتہ:

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ لاہور

حکمتِ قرآن

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۲۱ — ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ - مئی ۲۰۰۲ء — شمارہ ۵

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ااداؤد منزل متصل شاہ بجری، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۹۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے

قیمت فی شمارہ: 10 روپے (اس شمارے کی قیمت 18 روپے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

قلم ہاتھ میں لیتے ہی خیال آیا کہ آج ملک میں صدارتی ریفرنڈم ہے۔ حکومتی حلقوں کی جانب سے یہ بات بڑے زور شور کے ساتھ کہی جا رہی ہے کہ ریفرنڈم کے ذریعے اِس ملک کی تقدیر بدل جائے گی' لاینحل مسائل کا حل نکل آئے گا' عوام کو ریلیف ملے گا وغیرہ ـــــ ملک کی گزشتہ ۵۵ سالہ تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ اس نوع کے بلند بانگ دعوے ہر دور میں کئے گئے ہیں۔ ملکی سیاسی جماعتیں ہوں یا فوجی آمریت' دعووں کے میدان میں کوئی کبھی پیچھے نہیں رہا' لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ملک کی حالت آج تک سدھر نہیں سکی بلکہ بحیثیت مجموعی رُو بہ زوال ہے۔

ہمارے سامنے آنحضور ﷺ کا واضح فرمان موجود ہے کہ ((اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ)) کہ ''اللہ تعالیٰ اس کتابِ عظیم یعنی قرآنِ حکیم کی بدولت بہت سی قوموں کو رفعت و سربلندی عطا فرمائے گا اور اِس کتاب کو چھوڑنے کی پاداش میں بہت سی قوموں کو زوال سے دوچار فرما دے گا۔'' حکیم الامت علامہ اقبال نے حکمتِ نبویؐ کے اس موتی کو بایں الفاظ ایک شعر کے قالب میں ڈھالا کہ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک کی عزت' وقار اور استحکام کے حصول کا واحد ذریعہ تمسک بالقرآن ہے۔ قرآن کے عطا کردہ نظامِ عدل اجتماعی کے نفاذ ہی میں اس ملک کے دیرینہ مسائل کا حل مضمر ہے۔ سیاسی و معاشی اور سماجی و معاشرتی ہر سطح پر جب تک ہم دین و شریعت کے اصولوں کا نفاذ نہیں کریں گے' اس ملک کی کشتی بحرانوں کے مہیب گرداب سے نکل نہیں سکے گی۔

تاہم یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ دین و شریعت کا نفاذ یہاں از خود نہیں ہو جائے گا بلکہ اس کے لئے بالکل بنیاد سے کام کرنا ہو گا۔ دعوتِ قرآنی کی بنیاد پر وسیع پیمانے پر عوام و خواص کی ذہن سازی کے لئے جامع منصوبہ بندی کرنا ہو گی۔ بالفاظ دیگر رجوع الی القرآن کی ایک بھرپور مہم چلانا ہو گی۔ قرآن کے ایمان افروز اور انقلاب آفریں پیغام کی ہمہ گیر نشر و اشاعت کے ذریعے ہی اس عظیم الشان کام کے لئے راستہ ہموار کیا جا سکتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ وفقنا لھٰذا

درس ۲۳

مدنی دور کے آغاز میں
اہل ایمان کو پیشگی تنبیہ
سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۵۳ تا ۱۵۷ کی روشنی میں

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اَعُوذُ باللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۞
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا
تَشْعُرُوْنَ ۞ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ
الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۞ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ
مُّصِیْبَۃٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۞ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ
رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ۞﴾ ...... صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

مطالعۂ قرآن حکیم کے اس منتخب نصاب کے پانچویں حصے کا تیسرا درس سورۃ البقرۃ کی پانچ آیات (۱۵۳ تا ۱۵۷) پر مشتمل ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ یوں ہے:

''اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے' یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور مت کہو اُن کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں' مردہ! بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔ اور ہم لازماً آزمائیں گے تمہیں کچھ خوف سے' بھوک سے اور مال و جان کے نقصان سے اور نتائج و ثمرات کے ضیاع سے۔ اور اے نبی! خوشخبری سنا دیجیے ان صبر کرنے والوں کو کہ جن پر اگر کوئی مصیبت ٹوٹتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ جانا ہے۔ یہی ہیں وہ لوگ کہ جن پر اُن کے ربّ کی جانب سے عنایتیں ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ کہ جو راہ یاب ہونے والے ہیں۔ (منزلِ مراد تک پہنچنے والے ہیں۔)

ان آیات سے درحقیقت سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کا آغاز ہو رہا ہے' تاہم اس بات کو سمجھنے کے لئے سورۃ البقرۃ کے زمانۂ نزول کو ذہن میں رکھنا اور اس کے مضامین کے درمیان جو ایک نہایت گہری حکیمانہ ترتیب ہے' اس پر ایک نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ زمانۂ نزول کے اعتبار سے سورۃ البقرۃ پہلی مدنی سورت ہے۔ تقریباً ڈھائی پاروں پر پھیلی ہوئی اور ۲۸۶ آیات پر مشتمل قرآنِ حکیم کی یہ طویل ترین سورۃ اکثر و بیشتر ان آیات پر مشتمل ہے جو ہجرت کے فوراً بعد سے لے کر غزوۂ بدر سے متصلاً قبل تک وقتاً فوقتاً نازل ہوئیں۔ صرف چند آیات مستثنیٰ ہیں' مثلاً سود کی حرمت سے متعلق آیات اور قرض کے لین دین سے متعلق احکام پر مشتمل طویل آیت جو کہ مدنی دَور کے آخری زمانے سے متعلق ہیں' یا پھر سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں جن کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ وہ معراج کی شب نبی اکرم ﷺ کو اُمت کے لئے تحفے کے طور پر عطا ہوئیں۔ باقی قریباً پوری سورۃ ہجرت کے فوراً بعد سے لے کر غزوۂ بدر سے متصلاً قبل کے عرصے کے دوران نازل ہوئی جس کا دورانیہ کم و بیش دو سال بنتا ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے اس سے متصلاً قبل سورۃ الحج ہے اور ان دونوں سورتوں کے مضامین میں بڑی گہری مناسبت ہے' گو مصحف میں ان کے مابین لگ بھگ پندرہ پاروں کا فصل ہے' سورۃ البقرۃ بالکل آغاز میں ہے اور تیسرے پارے کے قریباً نصف تک چلی گئی ہے' جبکہ سورۃ الحج سترہویں پارے کے نصف آخر میں ہے' تاہم زمانۂ نزول کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں متصل ہیں۔

سورۃ البقرۃ۔ دو اُمتوں کی سورت

سورۃ البقرۃ کے دو بڑے بڑے حصے ہیں۔ پہلے حصے میں رکوعوں کی تعداد دوسرے حصے کے مقابلے میں قدرے کم ہے لیکن آیات کی تعداد زیادہ ہے۔ یہ حصہ اٹھارہ رکوعوں اور ایک سو باون آیات پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے حصے میں رکوع بائیس ہیں اور آیات ایک سو چونتیس ہیں۔ گویا ایک خوبصورت توازن یہاں موجود ہے۔ تقریباً نصفین پر یہ سورۂ مبارکہ تقسیم کی جا سکتی ہے۔ نصفِ اوّل میں خطاب کا رخ

تقریباً کُل کا کُل بنی اسرائیل کی طرف ہے' جبکہ نصفِ ثانی میں خطاب اُمتِ مسلمہ سے بحیثیتِ اُمّتِ مسلمہ ہے۔ ویسے بنی اسرائیل سے براہِ راست خطاب کا آغاز پانچویں رکوع سے ہوتا ہے اور یہ سلسلہ پندرہویں رکوع تک چلا گیا ہے۔ گویا مسلسل دس رکوع بنی اسرائیل سے براہِ راست گفتگو پر مشتمل ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کے ابتدائی چار رکوع تمہیدی نوعیت کے ہیں۔ ان میں سے پہلے دو رکوعوں میں تین قسم کے افراد کا ذکر آیا ہے اور پھر قرآن کریم کی بنیادی دعوت کا خلاصہ دو رکوعوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔ وہاں بھی اگرچہ بین السطور یہود کا ذکر موجود ہے تاہم ان سے براہِ راست خطاب نہیں ہے۔

پھر پانچویں رکوع سے یہود کے ساتھ براہِ راست خطاب کا آغاز ہوتا ہے اور یہ سلسلہ پندرہویں رکوع تک چلا گیا ہے۔ اس میں یہود یعنی بنی اسرائیل کو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کی مؤثر دعوت بھی ہے اور اُن پر ایک نہایت مفصل قرار دادِ جرم بھی عائد کی گئی ہے' اس لئے کہ ان کی حیثیت سابقہ اُمّتِ مسلمہ کی تھی۔ یہود اڑھائی ہزار برس تک اس منصب پر فائز رہے' نبوت و رسالت کا سلسلہ ان کے یہاں لگاتار جاری رہا' آسمانی کتابیں انہیں عطا کی گئیں۔ اس پورے عرصے کے دوران شریعتِ الٰہی کے وہ حامل رہے۔ یوں کہئے کہ وہ اڑھائی ہزار برس تک اللہ کی زمین پر اللہ کی نمائندہ اُمت تھے۔ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی جو ناقدری کی' شریعتِ الٰہی کو جس طرح بازیچۂ اطفال بنایا' اللہ کی کتاب میں جس جس طرح سے تحریف کی' وہ دنیا پرستی میں جس طرح غرق ہوئے اور دین کا جو حلیہ انہوں نے بگاڑا' اس سب کا ذکر کر کے گویا یہ اعلان فرما دیا گیا کہ انہیں ان کے منصبِ جلیلہ سے معزول کیا جا رہا ہے اور ان کی جگہ ایک نئی اُمّت محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی بنیاد پر برپا کی جا رہی ہے۔ یہ ہے وہ مضمون کہ جس کے لئے سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں اگرچہ یہود کے لئے دعوتی انداز بھی ملتا ہے لیکن پھر دسویں رکوع تک ملامت کا رنگ غالب ہے' ان کے جرائم کی طویل فہرست کا بیان ہے' بلکہ یوں کہئے کہ ایک مفصل قرار دادِ جرم ہے جس کے نتیجے میں وہ اس مقام و مرتبے سے محروم اور اس عظیم منصب سے معزول ہوئے جس پر وہ اڑھائی

ہزار برس تک فائز رہے اور اب اُمتِ مسلمہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس مقام پر فائز کی گئی ہے۔

چنانچہ پندرہویں رکوع سے لے کر اٹھارہویں رکوع تک' ان چار رکوعوں میں اسی اہم تبدیلی کی جانب اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان رکوعوں میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی شخصیت کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے کہ جو بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کے جدّ امجد تھے اور اس اعتبار سے دونوں کے نزدیک یکساں طور پر محترم تھے۔ پھر ان رکوعوں میں خانہ کعبہ کی تعمیر کا باہتمام ذکر آیا ہے اور بوقتِ تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی دعا کا ذکر ہے کہ اے پروردگار! ہماری نسل میں سے ایک اُمّت برپا کیجیو اور ان میں اپنا ایک نبی مبعوث فرمائیو! اس دعا کا ذکر پندرہویں رکوع میں ہے۔ اور پھر گویا کہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب وہ اُمت برپا ہوگئی ہے اور اُس نبی کی بعثت ہوگئی ہے جس کے لئے حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند اسماعیل (علیہما السلام) نے دعائیں مانگی تھیں۔ اب اس نبی کی نبوت و رسالت کی بنیاد پر ایک اُمّت وجود میں آچکی ہے جسے ایک نہایت بلند منصب عطا کیا گیا ہے۔ چنانچہ سترہویں رکوع میں وہ آیۂ مبارکہ آئی جس میں نئی اُمّت کی تشکیل کا ذکر ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾

''اور اسی طرح بنایا ہے ہم نے تمہیں ایک درمیانی اُمت (ایک بہترین اُمت) تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول تم پر گواہ بن جائیں''۔

نئی اُمّت کیوں تشکیل دی گئی؟

سورۃ الحج کے آخری رکوع میں یہی مضمون ایک دوسری ترتیب سے آیا تھا کہ اے مسلمانو! اپنے نصیب پر فخر کرو کہ اس نے تمہیں ایک اہم منصب کے لئے چن لیا ہے' پسند کر لیا ہے۔ ﴿هُوَ اجْتَبٰكُمْ﴾ تم نبوت و رسالت کے سلسلے میں ایک مستقل کڑی کی حیثیت سے شامل کر لئے گئے ہو۔ یہ سب کچھ کس لئے ہے؟ ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

شَهِیۡدًا عَلَیۡکُمۡ وَ تَکُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ﴾ ''تاکہ رسول تم پر گواہ بن جائیں اور تم پوری نوعِ انسانی پر دینِ حق کی گواہی دینے والے بن جاؤ''۔ گویا دونوں مقامات پر ایک ہی مضمون مختلف ترتیب کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ شہادت علی النّاس کا مضمون سورۃ الحج کے درس کے ضمن میں وضاحت کے ساتھ آ چکا ہے۔ پھر انہی رکوعوں میں دو مرتبہ وہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ کے اساسی طریق کار کا بیان ہے۔ پہلے تو پندرہویں رکوع میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں وہ الفاظ وارد ہوئے اور پھر اٹھارہویں رکوع میں جہاں اس دعا کی قبولیت کا اعلان ہے وہاں یہ الفاظ اس شان کے ساتھ آئے:

﴿ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیۡکُمۡ وَ یُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ..... ﴾

گویا کہ اُمّتِ مسلمہ کے مقصدِ وجود اور اس کی غرضِ تاسیس کا نمایاں انداز میں ذکر سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑی ہی اہم اور قابلِ توجّہ بات ہے' اس لئے کہ چھوٹی سی انجمن بھی اگر بنائی جاتی ہے تو آغاز ہی میں اس کے اغراض و مقاصد معیّن کئے جاتے ہیں کہ یہ ادارہ کیوں تشکیل دیا جا رہا ہے اور کون سا اہم کام ہے جو اس کے پیشِ نظر ہے' اس انجمن کی غرض تاسیس کیا ہے؟ وغیرہ۔ سوچئے کہ اتنی بڑی اُمّت اگر تشکیل دی گئی ہے تو لازماً اس کے بھی کچھ اغراض و مقاصد ہوں گے۔ یہی درحقیقت اس آیت کا موضوع ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل لفظ ''اُمَّة'' کے مفہوم پر بھی غور کیجئے: اَمَّ۔یَؤُمُّ کے معنی ہیں قصد کرنا' ارادہ کرنا۔ اُمت سے مراد ہے ہم مقصد لوگوں کا ایک گروہ یا ایک جماعت۔ ایک مشترک نصب العین رکھنے والے اور ایک ہی ہدف اور منزلِ مقصود رکھنے والے لوگ اُمّت قرار پاتے ہیں۔ اس پس منظر میں سمجھئے کہ مسلمانوں کو اُمّت اس لئے بنایا گیا ہے کہ وہ فریضۂ نبوت اور کارِ رسالت جو پہلے انبیاء و رُسل ادا کیا کرتے تھے اب ختمِ نبوّت کے بعد قیامت تک یہ ذمہ داری اس اُمت کو ادا کرنی ہے۔ لوگوں تک اللہ کے

دین کو پہنچانے کا فریضہ اب اس اُمت کے حوالے کیا گیا ہے۔ اسی فریضے کا عنوان ہے ''شہادت علی النّاس'' اور ''اتمامِ حجّت'' کہ اپنے قول و فعل سے دینِ حق کی گواہی دینا اور اللہ کی طرف سے خلقِ خدا پر حجّت قائم کر دینا تا کہ محاسبۂ اُخروی کے وقت وہ یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ اے اللہ تیری ہدایت ہم تک پہنچی نہیں، ہمیں معلوم نہ تھا کہ تُو کیا چاہتا ہے، ہمیں بتایا ہی نہیں گیا کہ تیری مرضی کس چیز میں ہے! سورۃ النساء میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (آیت ۱۶۵)

''تا کہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے (محاسبہ کے) مقابلے میں کوئی دلیل اور حجت باقی نہ رہے، اور اللہ تو ہے ہی سب پر غالب، کمالِ حکمت والا''۔

تو سورۃ البقرۃ کے پندرہویں رکوع سے لے کر اٹھارہویں رکوع تک یوں سمجھئے کہ وہی مضامین جن کا مطالعہ ہم سورۃ الحج، سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعۃ میں بڑی تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں، یہاں ایک ذرا مختلف ترتیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر اُمت کے فرضِ منصبی کے حوالے سے ان سب مضامین کو بیان کرنے کے بعد اب خطاب شروع ہوتا ہے مسلمانوں سے بحیثیتِ اُمّتِ مُسلمہ کہ اپنے فرائض کی عظمت کو پہچانو، ایک بڑا کٹھن اور نہایت بھاری بوجھ ہے جو تمہارے کاندھے پر آ گیا ہے۔ اس پہلو سے یہ مقام سورۃ المُزّمّل کی ابتدائی آیات کے بہت مماثل ہے کہ جہاں آنحضور ﷺ کو آغازِ وحی کے بالکل ابتدائی دَور میں شخصی طور پر خطاب کر کے کچھ خصوصی ہدایات دی گئیں اور پیشگی آگاہ کر دیا گیا: ﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾ ''(اے نبی!) ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں''۔ کارِ رسالت کی بھاری ذمہ داری آپؐ کے کاندھوں پر ڈالی جا رہی ہے۔ چنانچہ اسی موقع پر یہ تلقین بھی کی گئی کہ ﴿وَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ کہ ان مخالفین کی

باتوں پر آپ صبر کیجئے اور استقامت کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی پر کمربستہ رہیے اور ان مخالفین کو خوبصورتی کے ساتھ نظر انداز کر دیجئے!

اُمّت سے پہلا باضابطہ خطاب

اب کارِ رسالت کا یہ بوجھ چونکہ اُمت کے کاندھوں پر آ رہا ہے' یہ اجتماعی ذمّہ داری ہے جو اُمّت کو تفویض کی جا رہی ہے لہٰذا اُمت سے خطاب اِن الفاظ میں ہوا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ﴾

''اے اہل ایمان! مدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے''۔

حکم ہو رہا ہے کہ دعوت و تبلیغ دین کی اہم ذمہ داری اور فریضۂ شہادت علی الناس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قوّت پکڑو صبر و ثبات سے' سہار اور تحمل سے اور نماز سے کہ جو اللہ کے ذکر کی ایک اعلیٰ شکل اور اس کے ساتھ ایک مضبوط تعلق قائم رکھنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

اگرچہ اس سے پہلے ہمارے اس منتخب نصاب میں ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے الفاظ متعدد بار آ چکے ہیں' یہاں تک کہ صرف سورۃ الحجرات میں پانچ مرتبہ یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں' لیکن یہاں ان الفاظ کے حوالے سے ایک اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ قرآنِ حکیم کا یہ وہ مقام ہے جہاں مسلمانوں سے بحیثیتِ اُمّتِ مُسلمہ گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے۔ اُمت کی تشکیل کے اعلان کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ مسلمانوں کو باضابطہ خطاب کیا گیا اور اس کے لئے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ لائے گئے۔ یہ بات بہت سے حضرات کے لئے شاید قابلِ تعجب ہو کہ پورے مکّی قرآن میں کہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ نہیں آئے۔ قرآن مجید کا قریباً دو تہائی حصّہ مکّی سورتوں پر مشتمل ہے اور پورے مکّی قرآن میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے خطاب نہیں ملتا۔ اس قاعدے میں استثناء صرف ایک ہے اور وہ سورۃ الحج کا وہی مقام ہے جو ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہے' لیکن یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اس سورۃ کے مکّی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔ بہت سے حضرات اسے مدنی مانتے

ہیں اور اس کی بعض آیات کے بارے میں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ مدنی دَور میں نازل ہوئیں۔ وہ یقیناً یا تو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں یا اثنائے سفرِ ہجرت میں ان کا نزول ہوا۔ اس پہلو سے یہ استثناء بھی باقی نہیں رہتا اور یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ پورے مکّی قرآن میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ نہیں آئے۔

آیتِ زیرِ نظر سے قبل سورۃ البقرۃ میں اگرچہ صرف ایک مرتبہ یعنی آیت ۱۰۴ میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ وارد ہوئے ہیں لیکن وہ بھی ایک ضمنی بات کے طور پر۔ اصل میں مسلمانوں سے بحیثیتِ اُمّتِ مُسلمہ خطاب شروع ہو رہا ہے سورۃ البقرۃ کی اس آیت ۱۵۳ سے۔ اس کے بعد مدنی سورتوں میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا اندازِ خطاب نہایت کثرت سے ملتا ہے۔ مکّی قرآن میں خطاب جہاں بھی ہے وہ براہِ راست محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے ہے بصیغۂ واحد۔ ہاں تبعاً آپؐ کی وساطت سے مسلمان بھی اس خطاب کے مخاطب ہوتے ہیں، لیکن قرآن حکیم میں مسلمانوں کو بحیثیتِ اُمّت خطاب کا آغاز مدینے میں آ کر ہوا کہ جہاں مسلمان ایک اُمت کی حیثیت اختیار کر چکے تھے اور تشکیلِ اُمت کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا تھا۔ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اگرچہ مکّے میں بھی ان کی حیثیت ایک جماعت کی اور ایک Revolutionary party کی تھی لیکن ان کی بحیثیت اُمّتِ مسلمہ باقاعدہ تاج پوشی (Coronation) مدینے میں ہوئی اور اس کی علامت کے طور پر تحویلِ قبلہ کا معاملہ ہوا۔ دوسرے پارے کے بالکل آغاز میں یہ حکم وارد ہوا کہ تمہارا قبلہ بدل دیا گیا ہے، آئندہ نماز میں بیت المقدس کی طرف رُخ نہیں ہوگا بلکہ ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ کہ اب پھیر لو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی جانب۔ ایک نئے مرکز کے گرد ایک نئی اُمت کی تشکیل کا اعلان کر دیا گیا اور اسی اعتبار سے اب قرآن مجید میں مسلمانوں سے خطاب کے لئے مستقل اصطلاح ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

ایک نئے دورِ آزمائش کا آغاز

بہرحال اس مرحلے پر یہ آیات ایک پیشگی تنبیہ کا درجہ رکھتی ہیں کہ مسلمانو! یہ نہ

﴿اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ﴾

''(اے نبی!) تلاوت کرتے رہنے جو وحی کیا گیا آپ کی طرف کتاب میں سے اور نماز قائم کیجئے۔ یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے''۔

یہی بات ہم سورۂ بنی اسرائیل میں دیکھ چکے ہیں۔ وہاں پر بھی فرمایا گیا کہ اے نبی! اگرچہ جو مصالحانہ پھندے آپ کے لئے لگائے گئے آپ اللہ کے فضل و کرم سے ان سے بچ نکلے' لیکن صبر و ثبات کے لئے بنیاد وہی اقامتِ صلوٰۃ ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ﴾ (آیت ۷۸)

''قائم رکھئے نماز کو سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور قرآن پڑھنا فجر کا۔''

اور سورۃ العنکبوت میں تلاوتِ قرآن حکیم اور اقامتِ صلوٰۃ کے حکم کے ساتھ ہی فرمایا: ﴿وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ ''اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی شے ہے''۔ اور تلاوتِ قرآن حکیم اور اقامتِ صلوٰۃ اللہ کے ذکر اور تعلق مع اللہ کی بہترین صورتیں ہیں۔

ظاہر ہے کہ کسی بھی انقلابی کارکن کے لئے اپنی انقلابی جدوجہد میں ثابت قدم رہنے کا دارومدار اپنے مقصد اور نصب العین کے ساتھ پوری یکسوئی کے ساتھ وابستگی اور لگاؤ پر ہے۔ اپنے نصب العین سے اس کی وابستگی جس قدر گہری ہوگی' ذہن اور قلب کے اندر اس کی جڑیں جتنی گہری اتری ہوئی ہوں گی' اسی قدر وہ اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو برداشت کرے گا' مصائب کو جھیلے گا' امتحانات میں کامیابی سے درّاتا ہوا گزر جائے گا اور آزمائشوں کی بھٹیوں میں سے سرخرو ہو کر نکلے گا۔ یہ جدّ و جُہد چونکہ اللہ کے لئے اور اللہ کے دین کے لئے ہے اور اس میں اصل مقصود و مطلوب اللہ کی رضا جوئی ہے لہٰذا یہاں تمہارے صبر و ثبات کی بنیاد تعلق مع اللہ ہے۔ اللہ کی یاد تمہارے دل میں جس قدر ہوگی اور اللہ تمہارے ذہن سے جتنا قریب تر رہے گا اتنا ہی تم اس راہ میں ثابت قدم رہ سکو گے۔ اور ذکر اللہ کے لئے جو سب سے جامع پروگرام تمہیں دیا گیا وہ ہے نماز۔ چنانچہ یہاں فرمایا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝﴾

''اے اہلِ ایمان! مدد چاہو صبر سے اور نماز سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اللہ کی معیّت اور نصرت کے اصل حق دار کون؟

یہ معیّت تائید و نصرت کے معنی میں ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی ایک معیت تو وہ ہے جو ہر شے کو حاصل ہے' کیونکہ اللہ ہر جگہ ہر آن موجود ہے۔ ﴿هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ﴾ ''جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے''۔ ان الفاظ میں اللہ کی معیتِ عمومی کا ذکر ہے' لیکن اہلِ ایمان کو اللہ کی جو معیت حاصل ہوتی ہے وہ ہے اللہ کی تائید و نصرت' اس کی طرف سے توفیق و تیسیر' اس کی طرف سے ہمت کا بندھے رہنا اور بشارتوں کا ملتے رہنا۔ یہاں اسی معنی میں فرمایا گیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝﴾

کہ یاد رکھو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے! اس کی یہ معیت ان لوگوں کو حاصل نہیں ہے جن میں مصائب جھیلنے اور مشکلات برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں' جو تھڑ دلے' بزدل اور کم ہمت لوگ ہیں' جن کا نقشہ سورۃ النساء میں بایں الفاظ کھینچا گیا ہے:

﴿مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ ؕ﴾ (آیت ۱۴۳)

جن کی کیفیت یہ ہے کہ دنیا کو بھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا' یہاں کی لذات سے کنارہ کشی بھی کسی درجے میں گوارا نہیں ہے' مال و اولاد اور تعیّشات کی محبتیں بھی دل کے اندر گہری موجود ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ دین کی طرف بھی رغبت ہے۔ ایسے لوگ کسی طرح کا کوئی کام نہیں کر سکتے۔ تائید ربانی اور توفیق الٰہی تو انہی لوگوں کے شاملِ حال ہوتی ہے جو یکسو ہو کر آئیں' جن کے بارے میں پہلے عرض کیا گیا کہ جو ''ہر چہ باداباد' ما کشتی در آب انداختیم'' کے سے جذبے کے ساتھ آئیں۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ کی معیت اور توفیق و تائید حاصل ہوتی ہے۔ سورۃ العنکبوت کی آخری آیت بھی ہم پڑھ آئے ہیں:

﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۝﴾
''اور جن لوگوں نے ہماری خاطر جدوجہد کی ہم لازماً انہیں اپنی راہیں سجھا دیں گے' اور یقیناً اللہ تو احسان کی روش اختیار کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔
اللہ کی تائید اور توفیق ہر دم اُن کے شامل حال رہتی ہے۔

اسی معیّتِ خداوندی کا ایک ظہور ہمارے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں آتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے اور پیچھے سے فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب شروع کیا تو ایک مرحلہ وہ آیا کہ بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا' سامنے سمندر تھا اور پیچھے نظر آ رہا تھا کہ فرعون اور اس کا لشکر چلا آ رہا ہے' گرد اڑاتا ہوا قریب سے قریب تر پہنچ رہا ہے۔ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے عالمِ بے چارگی میں کہا: ﴿اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ ''(اے موسیٰ!) ہم تو پکڑے گئے (اب تو بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے)''۔ اُس وقت حضرت موسیٰ نے کمالِ جمعی کے ساتھ جواب دیا: ﴿كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ ''نہیں نہیں! میرے ساتھ میرا ربّ ہے' وہ یقیناً مجھے راستہ دے گا''۔ چاہے بظاہر احوال کوئی راستہ نہیں' مادی اسباب و وسائل راستہ روکے کھڑے ہیں' لیکن میرا توکل و انحصار اور میرا تکیہ اور دارومدار اُس ذات پر ہے جو مسبّب الاسباب ہے' جو اسباب سے ماوراء ہے' وہ یقیناً راستہ نکال دے گا۔ یہی بات غارِ ثور میں حضور ﷺ نے فرمائی تھی۔ جب بربنائے طبع بشری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی کچھ گھبرا گئے تھے کہ حضور! یہ لوگ غار کے دہانے تک پہنچ گئے ہیں اور اگر ان میں سے کسی نے غیر ارادی طور پر بھی اپنے قدموں کی طرف نگاہ ڈال لی تو ہم پکڑے جائیں گے۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ ''نہیں نہیں' گھبراؤ نہیں' اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ تو یہ ہے مفہوم ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ کا۔ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یہ معیتِ الٰہی کا مقام ہے' یہ درحقیقت بندۂ مؤمن کا آخری سہارا ہے ان حالات میں بھی کہ جہاں کوئی حالت اُمید افزا نظر نہ آ رہی ہو' جہاں کہیں کوئی راستہ نکلتا

ہوا دکھائی نہ دے رہا ہو اور امید کی کوئی کرن کسی جانب سے نظر نہ آتی ہو۔ معیتِ خداوندی کا یہ یقین اور اللہ کی تائید و نصرت پر یہ بھروسہ ایک ایسی شے ہے جو بندۂ مؤمن کو اس طرح کے انتہائی مایوس کن حالات میں بھی ثابت قدم رکھتی ہے اور وہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف پیش قدمی جاری رکھتا ہے' نتائج کو اللہ پر چھوڑتے ہوئے جو کچھ اس کے بس میں ہوتا ہے وہ کئے چلے جاتا ہے۔ لہٰذا اس مرحلے پر اُمّت کو اس کے فرضِ منصبی سے آگاہ کرنے اور وہ کٹھن ذمہ داری جو اُس کے کاندھے پر آ رہی ہے اس سے مطلع فرمانے کے بعد جو پہلی ہدایت دی گئی وہ یہی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۝﴾

اس کے بعد اب فرمایا جا رہا ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝﴾

''اور مت کہو ان کو جو قتل ہو جائیں اللہ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں' بلکہ وہ تو زندہ ہیں' لیکن تمہیں اس کا شعور حاصل نہیں ہے''۔

یہ مضمون سورۂ آل عمران میں بڑے مؤکّد انداز میں پھر دہرایا گیا ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ۝ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۝ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ۝﴾ (آیات ۱۶۹-۱۷۱)

''اور ہرگز گمان نہ کرنا ان کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مُردہ ہیں' نہیں وہ زندہ ہیں' اپنے ربّ کے پاس رزق پا رہے ہیں' فرحاں و شاداں ہیں اس (انعام و اکرام) سے کہ جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں عطا فرمایا اور خوش خبریاں حاصل کر رہے ہیں ان لوگوں کے بارے میں کہ جو ابھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے ان کے پیچھے سے' کہ نہ ان پر کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوشخبری حاصل کر رہے ہوں گے اللہ کے انعام اور اس کے

فضل پر اور اللہ تعالیٰ مؤمنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

قرآن میں لفظ ''شہید'' کا استعمال

یہاں ضمنی طور پر اس حقیقت کی طرف توجّہ دلا دینا یقیناً مفید ہوگا کہ قرآن حکیم میں اگرچہ لفظ شہید کا استعمال متعدّد مقامات پر ہوا ہے اور ''شہادت'' قرآن حکیم کی ایک اہم اصطلاح ہے لیکن مقتول فی سبیل اللہ کے لئے قرآن لفظ ''شہید'' استعمال نہیں کرتا۔ اس میں استثناء صرف ایک ہے اور وہ ہے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۰۔ وہاں ﴿وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ﴾ میں لفظ ''شُھَدَاءَ'' کو اگر مقتولین فی سبیل اللہ کے معنیٰ میں لیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ دیگر تمام مقامات پر مقتول فی سبیل اللہ کے لئے اس لفظ کا استعمال ہمیں قرآن میں نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ خود نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بھی سورۂ آل عمران میں جہاں یہ مضمون آیا ہے وہاں بھی شہید ہو جانے یا شہادت پا جانے کے لئے ''قُتِلَ'' کا لفظ ہی صیغۂ مجہول میں آیا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ﴾ (آیت ۱۴۴)

''محمد (ﷺ) اللہ کے ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں' تو اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟''

ایک حدیث میں جس میں آنحضور ﷺ نے اپنے لئے شہادت کی تمنّا کا اظہار فرمایا ہے' وہاں بھی اس ضمن میں ''قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کے الفاظ ہی وارد ہوئے ہیں:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ' فَاُقْتَلُ' ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ' ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ)) (رواہ البخاریؒ عن ابی ھریرہؓ)

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میری دلی تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل ہو جاؤں' پھر مجھے زندہ کیا جائے' پھر مقتول ہو جاؤں (اللہ کی راہ میں) اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور پھر قتل کر دیا جاؤں۔''

ذہن میں رکھئے کہ قرآن مجید میں لفظ شہادت کا استعمال اصلاً دین حق کی گواہی

دینے کے لئے ہے۔ اللہ کے خالق و مالک ہونے کی گواہی' اللہ کی توحید کی گواہی' محمد ﷺ کی صداقت اور رسالت کی گواہی۔ (ع دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی) آخرت کے حق ہونے کی گواہی' خیر کی گواہی' قرآن کی حقانیت کی گواہی ـــــ اور یہ گواہی صرف اپنے قول سے ہی نہیں عمل سے بھی دینی ہے۔ یہ ہے ہر مسلمان کا فرض اور اس کے لئے قرآن کی اصطلاح ہے ''شہادت علی الناس'' جو تمام مسلمانوں کا فرضِ منصبی ہے بحیثیتِ اُمّتِ مُسلمہ۔ اس لفظ شہادت کو قرآن مجید نے اس معنی کے لئے خاص کیا ہے۔ تاہم احادیث میں مقتول فی سبیل اللہ کے لئے لفظ شہید کا استعمال بھی مل جاتا ہے۔ اس لئے ان دونوں الفاظ میں اس اعتبار سے ایک گہرا معنوی ربط موجود ہے کہ جس شخص نے حق کے غلبے کی اس جدّوجُہد میں اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دی اس نے گویا کہ آخری درجے میں شہادت دے دی' دین کی خاطر اپنی زندگی دے کر گویا اپنی جان سے دین حق کی گواہی دے دی۔ اب وہ شہید (گواہ) کہلانے کا بتمام و کمال مستحق ہو گیا۔

شہداء کی برزخی حیات!

آیت کے آخری ٹکڑے میں شہداء کی زندگی کے بارے میں ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ کے الفاظ میں ہمارے لئے بڑی اہم رہنمائی مضمر ہے۔ شہداء کو اللہ جس نوع کی حیات عطا فرماتا ہے اور برزخی زندگی میں بھی جس طور سے انہیں رزق مہیّا فرماتا ہے اس تک ہمارے فہم و ادراک کی رسائی نہیں ہے' اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم اس کی کیفیت کو نہیں جان سکتے۔ بدقسمتی سے برزخی زندگی کے حوالے سے مسلمانوں میں ایک مذہبی بحث (Controversy) نے بڑے ہی شدّت اختیار کی ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں ایک بڑی بنیادی رہنمائی ہمیں اس آیت سے ملتی ہے۔ وہ بحث یہ ہے کہ عالمِ برزخ میں نبی اکرم ﷺ کی حیات کی نوعیت کیا ہے' اپنی قبر شریف میں آنحضور ﷺ کس حال میں ہیں!! یہ مسئلہ ہمارے مذہبی حلقوں میں نامعلوم کیونکر بحث وتمحیص' قیل و قال اور ردّ و قدح کا موضوع بن گیا! حالانکہ ہمیں یہ بات اچھی طرح

معلوم ہے اور یہ قرآن حکیم کی بنیادی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت ہے کہ موت خاتمے کا نام نہیں ہے' نہ کسی مؤمن کے لئے نہ کافر کے لئے۔ اِدھر آنکھ بند ہوتی ہے تو دوسرے عالم میں کھل جاتی ہے۔ یہ عالم برزخ ہے جس کا تسلسل قیامت تک رہے گا۔

اس برزخی دَور میں ایک نوع کی حیات تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اس برزخی حیات کا مرحلہ کافروں کے لئے بھی ہے اور مؤمنین کے لئے بھی' تاہم زندگی کی کیفیات مختلف ہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر قبر یا تو جنّت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ یہاں قبر سے مراد مٹی کا وہ ڈھیر نہیں جس کے نیچے انسان مدفون ہوتا ہے' بلکہ یہاں یہ اپنے وسیع تر مفہوم میں ہے اور اس سے مراد عالمِ برزخ ہے۔ چنانچہ خواہ کوئی شخص سمندر میں غرق ہو کر مرا ہو عالمِ برزخ میں وہ ایک خاص کیفیت سے گزرتا ہے' اس کے آخری انجام کا ایک عکس پڑتا رہتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ابوجہل یا ابولہب کے ساتھ عالم برزخ میں جو معاملہ ہو رہا ہے وہ کچھ اور ہے اور کوئی مسلمان عالم برزخ میں جس کیفیت سے گزر رہا ہے وہ کچھ اور ہے' کوئی مؤمن صالح وہاں کسی اور کیفیت میں ہوگا' شہداء کا کچھ اور عالم ہوگا اور صدّیقین کی شان کچھ اور ہوگی' انبیاء و رُسل کا مرتبہ و مقام کچھ اور ہوگا اور سیّد المرسلین' سیّد الاولین والآخرین ﷺ اس عالم برزخ میں جس شان میں ہوں گے وہ ہمارے فہم اور تصوّر سے ماوراء ہے' بلکہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ جب ہم شہداء کی برزخی زندگی کا کوئی تصور قائم نہیں کر سکتے اور اس کی نوعیت کا تعین نہیں کر سکتے' جیسا کہ قرآن نے صاف طور پر کہہ دیا ہے: ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ کہ تمہیں اس کا شعور حاصل نہیں ہے تو نبی اکرم ﷺ کی برزخی حیات کے بارے میں کوئی تصور کرنا ہمارے لئے قطعاً ناممکن ہے۔ یہ چیز ہمارے فہم و شعور اور تخیل و ادراک کی گرفت میں آنے والی ہے ہی نہیں۔ اس معاملے میں بحث کرنا ہی دراصل اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ یہ کہنا کہ حضور ﷺ بالکل اسی طرح زندہ ہیں جیسے کہ اس دنیا میں زندہ تھے' ایک اعتبار سے شاید آپؐ کی توہین قرار پائے' اس لئے کہ یہ دنیا کی زندگی تو بہت سی احتیاجات کے ساتھ

ہے' اس میں طرح طرح کی تحدیدیں ہیں' عالم برزخ میں نبی اکرم ﷺ کو جو حیات حاصل ہے وہ یقیناً اس سے کہیں اعلیٰ' کہیں ارفع ہے' جو ہمارے فہم اور ہماری سوچ سے بہت بلند اور بالا ہے۔ بہرحال اس معاملے میں خواہ مخواہ کسی چیز کو معیّن کر کے اس پر جھگڑنا اور اس کی بنیاد پر ''مَن دیگرم تُو دیگری'' کے انداز میں تفریق پیدا کر لینا درحقیقت بڑی ہی نادانی کی بات ہے۔

ابتلاء و آزمائش — اس راہ کی شرطِ لازم

اب آیئے اصل سلسلۂ کلام کی طرف۔ اگلی آیت میں وہ پیشگی تنبیہہ آ رہی ہے جس کا حوالہ گفتگو کے آغاز میں دیا گیا تھا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾

''اور (اے مسلمانو!) ہم لازماً آزمائیں گے تمہیں کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مال و جان اور ثمرات کے نقصان سے۔''

اس سے قبل سورۃ العنکبوت کے درس کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ عربی زبان میں یہ تاکید کا انتہائی اسلوب ہے کہ فعل مضارع سے قبل لام مفتوح اور آخر میں نون مشدّد کا اضافہ کر دیا جائے۔ یہی انداز ہمیں اس آیت میں ملتا ہے۔ چنانچہ ''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ'' کا ترجمہ ہوگا: ''ہم لازماً آزمائیں گے تمہیں''۔ ہم آزمائشوں کی کٹھالیوں میں تمہیں ڈالیں گے' تمہارے صبر و مصابرت کا بھرپور امتحان ہوگا' نہایت کٹھن حالات سے تمہیں گزرنا ہوگا جن کے ذریعے جانچ لیا جائے گا کہ تم کتنے پانی میں ہو' یہ بات خوب نکھر کر سامنے آ جائے گی کہ ذاتِ باری تعالیٰ پر فی الواقع تمہیں کتنا یقین حاصل ہے' حیات بعد الممات پر کتنا کچھ ایمان ہے' محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر تم کیا کچھ قربان کر سکتے ہو۔ اللہ کی راہ میں اگر تم آئے ہو تو تحفظات (Reservations) کے ساتھ تو نہیں آئے! آزمائشوں اور امتحانات سے جب تمہیں سابقہ پیش آئے گا تو ان میں سے ایک ایک چیز واضح ہو جائے گی۔

''بَلَا یَبْلُوْ'' کے معنی ہیں جانچنا اور پرکھنا۔ یہ لفظ لغت میں بنیادی طور پر گوشت کو آگ پر سینکنے کے مفہوم میں آتا ہے۔ اس سینکائی کے عمل میں گوشت کو انگاروں پر الٹا پلٹا جاتا ہے' ابھی اس رخ پر ڈالا ہے' پھر ذرا پلٹ کر دوسرے رخ پر ڈال دیا۔ یہ ہے اس لفظ کی اصل۔ تمہیں بھی مختلف حالات سے دوچار کر کے سینکا جائے گا' تمہیں آزمایا جائے گا' جانچا اور پرکھا جائے گا۔ البتہ اس آیت مبارکہ میں ''بِشَیْءٍ'' کا ایک لفظ ایسا آیا ہے جس میں تسلی کا پہلو موجود ہے کہ بظاہر تو امتحانات بڑے کٹھن ہوتے ہیں' ایک بار تو انسان دہل کر رہ جاتا ہے' لیکن اگر وہ ثابت قدم رہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں تھا۔ بظاہر ایک خوفناک صورت حال سامنے آتی ہے لیکن اگر انسان ڈٹا رہے تو پتہ چلتا ہے کہ بس ایک ریلا تھا حالات کا' آیا اور گزر گیا۔ دیکھنے والے اس آزمائش کی ظاہری شدت سے متاثر اور مرعوب ہوں گے لیکن صبر و ثبات کے ساتھ اس آزمائش سے گزرنے والوں کو یوں محسوس ہوگا کہ جیسے بڑی ہی ہلکی سی کوئی بات تھی کہ جو ہوگئی۔ ﴿بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ﴾

ذہن میں رکھئے کہ یہ آیات مدنی دَور کے بالکل آغاز میں نازل ہو رہی ہیں۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ان آخری دس سالوں پر جو آپؐ نے مدینہ میں گزارے' اگر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو اس آیت کی عظمت کا مزید انکشاف ہوتا ہے کہ اس پورے مدنی دَور میں کس طرح وہ حالات و قفے وقفے سے پیدا ہوتے رہے جن کا پورا نقشہ ایک پیشگی تنبیہہ کے طور پر ان آیات میں کھینچ دیا گیا ہے۔ خوف و خدشات ہوں گے' جان و مال کے اندیشے ہوں گے' بھوک اور پیاس سے سابقہ پیش آئے گا' فاقہ کشی کے باعث جان نکلتی ہوئی محسوس ہوگی' جان و مال اور ثمرات کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس راہ میں یہ سارے مراحل آئیں گے۔

لفظ ''ثمرات'' کا وسیع تر مفہوم

''ثمرات'' کا لفظ یہاں بہت ہی قابل توجہ ہے۔ ثمرات کا عام مفہوم لیا گیا ہے پھل۔ اس اعتبار سے ترجمہ یہ بنتا ہے کہ پھل ضائع ہو جائیں گے۔ مدینہ منورہ کے

مخصوص معاشرتی پس منظر میں یہ مفہوم بجا طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ اہل مدینہ بنیادی طور پر کاشتکار تھے' زراعت ان کا پیشہ تھا۔ زراعت کے میدان میں جو محنت بھی کی جاتی ہے' ہل چلایا جاتا ہے' کھیت کی آ ئی کی جاتی ہے' اس ساری محنت کا حاصل چونکہ وہ فصل ہے جو آخر میں کاٹی یا اتاری جاتی ہے اور تمام امیدیں چونکہ اس فصل کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں لہٰذا اگر فصل اجڑ جائے تو نقصان بہت شدید ہوتا ہے اور یہ آزمائش کی بڑی کٹھن صورتوں میں سے ایک ہے۔ غزوۂ احزاب اور غزوۂ تبوک کے مواقع پر اس نوع کے امتحان سے مسلمانوں کو سابقہ پیش آیا تھا۔ فصلیں تیار ہیں' لوگ اس امید میں ہیں کہ فصلیں اتاریں گے' اپنی محنتوں کی کمائی کو گھروں میں لائیں گے' عین اُس وقت حملہ ہوتا ہے' باغات اجاڑ دیئے جاتے ہیں یا حکم ہوتا ہے کہ تیار فصلوں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے نکلو' اور وقت پر فصلیں برداشت نہ کر سکنے کے باعث فصل ضائع ہو جاتی ہے۔ یہ تمام آزمائش کی صورتیں ہیں جن سے مسلمان مدینہ میں گزرتے رہے ہیں۔ البتہ ''ثمرات'' کا لفظ اس سے زیادہ وسیع ہے۔ انسانی محنت خواہ کسی بھی میدان میں ہو' اس کا حاصل دراصل اس کا ثمرہ ہے۔ کسی نے بڑی محنت کر کے کاروبار جمایا ہے' اب دین کی طرف سے پکار آتی ہے کہ آؤ! اور صاف نظر آ رہا ہے کہ دین کی طرف آنے میں کاروبار کا نقصان ہے' تو یہ آزمائش بڑی کڑی ہے۔

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

وہ محنت سے جمایا ہوا کاروبار پاؤں میں بیڑی بن کر پڑ جاتا ہے۔ کسی نوجوان نے بڑا وقت لگا کر اور بڑی محنت سے کسی کیریئر میں اپنا کوئی مقام حاصل کیا ہے اور اب دین کے تقاضے سامنے آتے ہیں' دین کا تقاضا اس پر واضح ہوتا ہے کہ آؤ اور کھپاؤ اپنے آپ کو غلبہ و اقامت دین کی راہ میں! وہ کیریئر اور وہ Profession اب انسان کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اسے صاف نظر آ رہا ہے کہ اس طرح اس کی اب تک کی ساری محنت ضائع ہوتی ہے۔

سورۃ الکہف کے ایک مقام سے اگر روشنی حاصل کی جائے تو اولاد بھی انسان کا ثمرہ ہے' یہ بھی درحقیقت ایک اعتبار سے اس کی کمائی ہے۔ انسان کو اگر ایک درخت سے تعبیر کیا جائے تو اس کا پھل اس کی اولاد ہے۔ نگاہوں کے سامنے اگر اس کی اولاد اللہ کی راہ میں قربان ہو رہی ہو تو گویا یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اس کا ثمر اس کی نگاہوں کے سامنے اجڑ رہا ہے اور یہ آزمائش کی نہایت کٹھن صورت ہے۔ یہاں متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! یہ سارے امتحان اب آئیں گے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾

''اور ہم لازماً آزمائیں گے تمہیں کسی قدر خوف سے' بھوک سے' مال و جان کے نقصان سے' اور ثمرات کے ضیاع سے''۔

آیت کے آخری ٹکڑے پر اپنی توجہ مرکوز کیجئے! فرمایا:

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۝﴾

''اور (اے نبی!) بشارت دیجئے صبر کرنے والوں کو''۔ (ان کو کہ جو ان تمام آزمائشوں اور مصائب و تکالیف کو پامردی کے ساتھ جھیل جائیں' برداشت کر جائیں)۔

صبر کا قرآنی تصوّر

قرآن حکیم کے مطالعے سے صبر کا جو تصور سامنے آتا ہے اس کی رو سے صبر ہرگز کوئی منفی شے نہیں ہے' بلکہ یہ ایک مثبت جذبہ ہے۔ کسی مقصد کی تکمیل کی خاطر یا کسی نصب العین اور منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کرنے کی جدوجہد میں جو تکالیف آئیں اور اس راہ کی رکاوٹوں سے نبرد آزما ہونے میں جو مصائب آئیں انہیں ثابت قدمی کے ساتھ جھیلنا اور برداشت کرنا صبر ہے' جو یقیناً ایک مثبت جذبہ ہے۔ صبر و استقلال کا مظاہرہ کرنے والے باہمت لوگوں کے بارے میں ہی یہ الفاظ یہاں آئے ہیں: ﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''اور (اے نبیؐ!) بشارت دیجئے صبر کرنے والوں کو!''

صبر کے حوالے سے یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اللہ کی راہ میں قتال کرنے والا کوئی شخص اگر میدانِ جنگ میں پامردی اور استقامت کا مظاہرہ کرنے کی بجائے جان بچانے کے لئے وہاں سے راہِ فرار اختیار کرے گا تو اس کا یہ عمل دراصل اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس کا سب کچھ کیا دھرا ضائع ہو جائے گا' بلکہ سورۃ الانفال میں تو ایسے شخص کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ تو یہاں پیشگی متنبہ کر دیا گیا کہ اس راہ میں آزمائشیں اور مشکلات تو آئیں گی اور ان میں سرخرو وہی ہو سکیں گے جو صبر و ثبات کا مظاہرہ کریں گے۔ اگلی آیت میں ان صبر کرنے والوں کے ایک نہایت اہم وصف کا ذکر ہے:

﴿ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ ﴾

''(وہ صبر کرنے والے کون ہیں؟) وہ لوگ کہ جب بھی کوئی مصیبت اُن پر پڑتی ہے یا کوئی تکلیف انہیں پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہم لوٹنے والے ہیں''۔

اسی سورۂ مبارکہ میں ذرا آگے چل کر وہ آیۂ بِرّ ہے جو ہمارے اس منتخب نصاب کے حصۂ اوّل میں شامل ہے۔ وہاں ہم دیکھ چکے ہیں کہ نیکی کی بحث کا نقطۂ عروج یہی مضمون ہے: ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ﴾ ''اور خصوصاً صبر کرنے والے اور جھیلنے والے جسمانی اذیت کو' فقر اور فاقے کو اور وہ کہ جو عین حالتِ جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ہیں''۔ یہاں ان صبر کرنے والوں کی یہ شان بیان ہوئی ہے کہ جب بھی انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے' کوئی بپتا ان پر پڑتی ہے تو ان کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوتا ہے کہ: ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾

بندۂ مؤمن کا نظریۂ حیات

اس آیۂ مبارکہ میں دراصل ایک مسلمان کے نظریۂ زندگی اور تصورِ حیات کی مکمل عکاسی موجود ہے۔ ہمارا تصورِ حیات کیا ہے؟ ہم اللہ کے پاس سے آ رہے ہیں اور اللہ ہی کے پاس واپس لوٹ جائیں گے۔ یہ دُنیوی زندگی ایک سفر ہے' یہ ہرگز ہماری منزل

نہیں ہے۔ یہ ہمارے سفرِ حیات کا ایک عارضی سا وقفہ ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم پر یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ ہم آئے کدھر سے ہیں اور اپنی اس منزل کا بھی واضح شعور ہمیں ہونا چاہئے جہاں ہمیں جانا ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار اس آیۂ مبارکہ میں ہے کہ ہمارا وجود بھی اللہ کا عطا کردہ ہے اور ہمیں حیات بھی اسی نے عطا کی ہے۔ لہٰذا ع ''سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!'' اللہ ہمارے بارے میں جو فیصلہ بھی کرے ہمیں قبول ہے۔ اس کی مرضی کے آگے ہمارا سرِ تسلیم خم ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی عطا ہے۔ ع ''ہر چہ ساقیٔ ما ریخت عینِ الطاف است'' میرے اس پیالے میں میرے ساقی نے جو کچھ ڈال دیا یہ اس کی نگاہِ کرم ہی کے طفیل ہے۔ یہ اس کا عطیہ ہے' لہٰذا دل و جان سے قبول ہے۔ آگے فرمایا:

﴿اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رَحۡمَۃٌ﴾

''یہ ہیں وہ لوگ کہ جن پر اُن کے ربّ کی طرف سے عنایتیں ہیں اور رحمت ہے''۔

صلوٰۃ۔ بندے اور ربّ کے مابین دوطرفہ معاملہ

یہاں لفظ ''صَلَوَات'' بھی خاص طور پر توجّہ کے لائق ہے۔ یہ صلوٰۃ کی جمع ہے اور اس سے قبل یہ لفظ ہمارے اس منتخب نصاب میں سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کے درس میں آ چکا ہے: ﴿وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ﴾ ..... ''صلوٰۃ'' جیسا کہ عرض کیا گیا تھا' توجّہ کا نام ہے۔ لغت میں اس کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے: '' اِقْدَامٌ اِلَی الشَّیْءِ'' یعنی کسی کی جانب متوجہ ہونا' کسی کی طرف رخ کر لینا۔ اسی لئے نماز جس کی اصل روح ہے اللہ کی جانب متوجہ ہو جانا' اس کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے:

﴿اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴾

صلوٰۃ درحقیقت ایک دوطرفہ عمل ہے جو اللہ اور بندے کے مابین ہے۔ بندہ جذبۂ عبودیت کے ساتھ اپنے ربّ کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور پروردگار شفقت و

عنایت کے ساتھ بندے کی جانب متوجّہ ہوتا ہے۔ ذہن میں رکھئے کہ قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات پر عبد و معبود کے ربط و تعلق کو ایک دوہرے اور دوطرفہ تعلق کی شکل میں سامنے لایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ ہی میں اس مقام سے متصلاً قبل کہ جو ہمارے زیرِ درس ہے' یہ آیت موجود ہے:

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾

''پس تم مجھے یاد رکھو' میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر بجالاؤ اور میری ناشکری نہ کرو!''

اس کی بڑی عمدہ وضاحت ایک حدیثِ قدسی سے ہوتی ہے جس کی رُو سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اگر میرا بندہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں' اور اگر میرا بندہ میرا ذکر کسی محفل میں کرتا ہے تو میں اس سے بہت اعلیٰ محفل میں (یعنی ملائکہ مقرّبین کی محفل میں) اس کا ذکر کرتا ہوں''۔ اسی طرح کا معاملہ لفظ توبہ کا بھی ہے۔ بندہ اللہ کی جناب میں پشیمانی اور احساسِ ندامت کے ساتھ رجوع کرتا ہے' گناہ کے راستے سے واپس پھرتا ہے اور اللہ بھی بندے کی طرف متوجّہ ہو جاتا ہے اپنی شفقتوں اور عنایتوں کے ساتھ۔ گویا اس کی وہ نگاہِ کرم جو بندے کی جانب سے ہٹ گئی تھی وہ اب پھر اس کی طرف ملتفت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ''نصرت'' کا معاملہ بھی دوطرفہ ہے: ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا''۔ یہ صریحاً ایک دوطرفہ معاملہ ہے۔ اسی طرح شکر کے بھی دو رُخ ہیں۔ اللہ بھی شکور ہے اور بندے کے لئے بھی شکور کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بندے کا شکور ہونا اس معنی میں ہے کہ وہ اللہ کا حق مانے' اس کا احسان مانے' اس کی نعمتوں کا حق ادا کرے اور اس کا شکر بجالائے' جبکہ اللہ اس اعتبار سے شکور ہے کہ وہ کوششوں اور قربانیوں کی قدر افزائی فرمانے والا ہے' وہ بڑا قدردان ہے۔ تو ذہن میں رکھئے کہ کچھ اسی طرح کا معاملہ صلوٰۃ کا بھی ہے۔ بندہ اگر اللہ کی طرف متوجّہ ہو گا تو اللہ بھی بندے کی طرف کمال شفقت کے ساتھ متوجہ ہو جائے گا۔ سورۃ الاحزاب میں نبی اکرم ﷺ کی شان میں جو الفاظ وارد ہوئے وہ چونکہ بالعموم سیرت کی ہر تقریر کا عنوان

بنتے ہیں' لہٰذا اکثر لوگوں کو یاد ہیں:

﴿ اِنَّ اللّٰہَ وملٰٓئکتہ یُصلُّوْنَ علی النَّبیِّ ط یٰٓاَیُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾

یہاں دیکھئے کہ ''صلوٰۃ'' کی نسبت اللہ اور فرشتوں کی طرف ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں' ان کی جانب سے آپؐ پر شفقتوں اور عنایتوں کا مسلسل نزول ہوتا رہتا ہے' لیکن نوٹ کیجئے کہ یہ الفاظ صرف نبی اکرم ﷺ کے لئے نہیں آئے بلکہ سورۃ الاحزاب ہی میں بعینہٖ یہی الفاظ اہلِ ایمان کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں:

﴿ ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ﴾

''وہی ہے اللہ جو (اے اہلِ ایمان!) تم پر عنایتیں بھیجتا رہتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تم پر عنایتیں (درود) بھیجتے ہیں' تاکہ وہ تمہیں نکالے اندھیروں میں سے روشنی کی جانب' اور وہ اہل ایمان کے حق میں بہت ہی رحیم ہے''۔

یہ ہے لفظ صلوٰۃ کا قرآن حکیم میں استعمال! یہاں فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ ﴾ اللہ کی عنایات اور شفقتوں کا نزول ان لوگوں پر ہوتا ہے جو مشکلات اور آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے والے ہیں' جنہوں نے دین کو محض موروثی عقائد اور چند رسومات کا مجموعہ سمجھ کر قبول نہیں کیا بلکہ شعوری طور پر حقائق کو سمجھا' فرائضِ دینی کا شعور حاصل کیا' دین کی دعوت پر لبیک کہا' جنہوں نے اس حقیقت کو جانا کہ دین کے لئے جان و مال کھپانا اور اس کے غلبہ و اقامت کے لئے قربانیوں کا دینا ہمارے ایمان کا عین تقاضا ہے' اور پھر اس راہ کے تمام امتحانوں اور آزمائشوں میں پورے اترے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر اُن کے ربّ کی جانب سے عنایتیں ہیں' جن کے لئے شاباشیں ہیں' جن پر اللہ کی رحمتوں کا مسلسل نزول ہوتا رہے گا۔ اور فرمایا: ﴿ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ﴾ ''اور یہی ہیں وہ لوگ جو راہ یاب ہونے والے ہیں'' جو ہدایت یافتہ ہیں۔ نوٹ کیجئے کہ یہاں پھر اسلوبِ حصر ہے۔ اس اعتبار سے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ

صرف یہی لوگ فی الواقع راہ ہدایت پر گامزن ہیں۔

اس سے قبل سورۃ الفاتحہ کے درس کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ہدایت کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک انسان درجہ بدرجہ ہدایت کی منزلیں طے کرتا ہے۔ ایک منزل کے بعد اگلی منزل ہے اور ایک مرحلے کے بعد دوسرا مرحلہ ہے۔ گویا ہدایت ایک مسلسل عمل ہے۔ چنانچہ لفظ ہدایت کا اطلاق اپنے تکمیلی معنوں میں کسی کے منزلِ مراد تک پہنچ جانے کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ اس پہلو سے ﴿وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ﴾ کا مفہوم ہوگا: ''یہ ہیں وہ لوگ جو منزلِ مراد تک پہنچ جانے والے ہیں''۔

ان چند آیات میں اہلِ ایمان کو مدنی دَور کے بالکل آغاز میں جن مراحل سے سابقہ پیش آنے والا تھا ان کے بارے میں پیشگی طور پر متنبہ کر دیا گیا اور ساتھ ہی مسلمانوں کو بحیثیتِ اُمّتِ مسلمہ شہادت علی النّاس کا جو فرضِ منصبی سونپا گیا تھا اس کے ضمن میں ہمیشہ ہمیش کے لئے یہ رہنمائی عطا کر دی گئی کہ جو مرتبہ و مقام تمہیں ملا ہے اس کے تقاضے کے طور پر یہ بات جان لو کہ اس راہ میں مصائب و مشکلات آئیں گی' آزمائشوں میں سے تمہیں گزرنا ہوگا۔ اس لئے کہ ع

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کی سوا مشکل ہے!

حکمِ قتال اور اس کا ہدف

یہ بات ذہن میں رکھئے کہ سورۃ البقرۃ مدنی سورۃ ہے اور اس کے زمانۂ نزول کا اگر تعیّن کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہجرت کے بعد سے لے کر غزوۂ بدر سے متصلاً قبل تک کے عرصے میں نازل ہوئی۔ چنانچہ یہ آیات جو ہمارے زیر درس ہیں گویا کہ قتال فی سبیل اللہ کے لئے تمہید کا درجہ رکھتی ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اسی سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر چوبیسویں رکوع میں قتال فی سبیل اللہ کے ضمن میں متعین حکم بھی موجود ہے: ﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ﴾ حکم ہو گیا کہ اے اہلِ ایمان اب اللہ کی راہ میں قتال کرو' اور جان لو کہ تمہاری دعوت اب اگلے مرحلے

میں داخل ہو گئی ہے۔

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے' سورۃ الحج میں' جو نزولی اعتبار سے سورۃ البقرۃ سے متصلاً قبل شمار کی جاتی ہے' اذنِ قتال والی آیت آئی ہے۔ ذہن میں رکھئے کہ قتال کی اجازت اور قتال کا حکم دو مختلف چیزیں ہیں۔ اجازتِ قتال یہ ہے کہ اب تمہیں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہو گئی:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُۙ﴾ (آیت ۳۹)

یعنی آج اجازت مرحمت کی جا رہی ہے ان لوگوں کو جن پر جنگ ٹھونسی گئی تھی' جن پر مظالم توڑے گئے تھے' جنہیں اُن کے گھر بار سے نکالا گیا تھا' جن پر زندگی کا قافیہ تنگ کیا گیا تھا' لیکن جنہیں اب تک اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی' گویا ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے تھے' جیسا کہ سورۃ النساء میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ ان سے کہہ دیا گیا تھا: ﴿کُفُّوْۤا اَیْدِیَکُمْ﴾ ''اپنے ہاتھ بندھے رکھو''۔ یعنی جھیلو اور برداشت کرو' جس کے لئے ان دروس میں بار بار Passive Resistance کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ آج ان کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور انہیں اجازت دے دی گئی کہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کی نوید بھی دے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔

اس کے بعد سورۃ البقرۃ میں حکمِ قتال وارد ہوا:

﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ﴾ (آیت ۱۹۰)

''جو لوگ تم سے جنگ کر رہے ہیں اب تم ان سے جنگ کرو اللہ کی راہ میں''۔

سورۃ البقرۃ کے چوبیسویں رکوع میں جہاں قتال کا یہ حکم آیا ہے وہاں ساتھ ہی اس کا ہدف بھی معیّن کر دیا گیا:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۱۹۳)

''اور ان سے جنگ کرتے رہو (یہ تلواریں جو اب میان سے نکلی ہیں یہ اب میان میں واپس نہیں جائیں گی) جب تک کہ فتنہ بالکل فرو نہ ہو جائے (اللہ کے باغی جب تک ہتھیار نہ ڈال دیں) اور پورا نظامِ اطاعت اللہ ہی کے لئے

نہ ہو جائے''۔

جب تک اللہ کی زمین پر اسی کا حکم نافذ نہیں ہوتا اور اس کا کلمہ سربلند نہیں ہوتا اُس وقت تک جنگ جاری رہے گی۔ گویا قتال فی سبیل اللہ کا ہدف یہ ہے کہ دین کُل کا کُل اللہ کے لئے ہو جائے' اسی کا جھنڈا سربلند ہو' اسی کی مرضی نافذ ہو' اسی کے حکم کی تنفیذ ہو' مختصراً یہ کہ اللہ کی زمین پر اللہ ہی کا دین قائم ہو جائے۔ بہرکیف یہ ہے قتال کا باضابطہ حکم جو سورۃ البقرۃ کے چوبیسویں رکوع میں آیا ہے۔

اب ذرا ایک نظر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ پر بھی ڈال لیجئے جس کا حوالہ اس سے پہلے سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع کے درس میں دیا جا چکا ہے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ کسی بھی نظریاتی گروہ یا جماعت میں ہر مزاج اور ہر اُفتادِ طبع کے لوگ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی جماعت میں جہاں کثیر تعداد میں ایسے باہمت لوگ تھے کہ جنہوں نے حکمِ قتال کی آیت کے نزول پر خوشیاں منائیں کہ اب ہمارے ہاتھ کھول دیئے گئے' اب ہمارے لئے دین کی راہ میں سرفروشی کا وقت آ گیا اور ہمیں اب شہادت کے مواقع نصیب ہوں گے' وہاں کچھ وہ بھی ہوں گے کہ جن پر کچھ گھبراہٹ طاری ہوئی ہو گی۔ جن کے لئے یہ نیا مرحلہ جس میں جنگ و قتال سے سابقہ تھا' شاید زیادہ ہی کڑی آزمائش بن گیا ہو۔ ایسے لوگوں سے صاف کہہ دیا گیا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ ''کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ تم (سیدھے سیدھے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے'' ﴿وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾ ''حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات آئے ہی نہیں (وہ آزمائشیں' وہ کٹھنائیاں اور وہ مشکلات ابھی آئی ہی نہیں) کہ جو تم سے پہلی اُمتوں کو پیش آئے تھے''۔ ﴿مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا﴾ ''فقر و فاقہ اور تکالیف ان پر مسلط ہو گئیں اور وہ ہلا مارے گئے'' ﴿حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝﴾ ''یہاں تک کہ (وقت کے) رسولؐ اور ان کے ساتھی اہلِ ایمان پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی! (تب انہیں خوشخبری سنائی گئی) آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے''۔ اور اس کے ایک ہی آیت کے بعد مسلمانوں سے فرما دیا گیا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ

كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ ''تم پر یہ قتال فرض کر دیا گیا (یہ دعوت آج اپنے اگلے مرحلے میں داخل ہوگئی) اور یہ تمہیں ناپسند ہے''۔ تم پر یہ حکم بڑا بھاری گزر رہا ہے۔ ﴿وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ''اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو درآنحالیکہ اسی میں تمہارے لئے بہتری ہو''۔ ﴿وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ ''اور ہو سکتا ہے کہ کسی چیز سے تمہیں محبت ہو (وہ تمہیں پسند ہو) درآنحالیکہ فی الواقع وہ تمہارے لئے شر ہو''۔ ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

ایک آخری بات یہ عرض کرنی ہے کہ یہاں اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کا چونکہ بحیثیتِ مجموعی بھی ایک تجزیہ عرض کیا گیا ہے لہٰذا اسی حوالے سے یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ اسی سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر تاریخ بنی اسرائیل کی اس اہم جنگ کا تفصیلاً ذکر آیا ہے جسے ان کی تاریخ میں جنگِ بدر کے قائم مقام سمجھا جا سکتا ہے جس کے بعد کہ ان کے دُنیوی اقتدار اور جاہ و جلال کے دور کا آغاز ہوا۔ یہ جنگ طالوت اور جالوت کے مابین ہوئی جس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا وہ عہدِ حکومت ہے جسے بجا طور پر تاریخ بنی اسرائیل کا زریں دور قرار دیا جاتا ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ میں اس اہم تاریخی واقعے کا ذکر دراصل مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ اب وہی مرحلہ تمہاری تاریخ میں بھی آیا چاہتا ہے۔ یہ گویا پیشگی خبر تھی غزوۂ بدر کی جو نقطۂ آغاز ہے ایک طویل سلسلۂ قتال کا جس کے پہلے مرحلے کا اختتام ہوتا ہے نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں سفر تبوک پر۔ اب ان شاء اللہ آئندہ اس منتخب نصاب کے حصہ پنجم میں صرف ایک تقریر میں کوشش کی جائے گی کہ اس پورے سلسلۂ قتال پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لی جائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

علّامہ اقبال اور پاکستانی قوم

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

سوانحی خاکہ

علامہ اقبال کے اجداد کشمیری پنڈت تھے جو ایک ولی کامل کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ آپ کے والدین نے سیالکوٹ میں رہائش اختیار کی جہاں ۱۸۷۶ء یا ۱۸۷۷ء میں آپ کی پیدائش ہوئی اور اقبال نام رکھا گیا۔ مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے میٹرک پاس کیا اور مرے کالج میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ کو شمس العلماء مولانا سید میر حسنؒ جیسا استاد مل گیا۔ انہوں نے آپ کے اندر جوہرِ قابل کو دیکھا تو بھرپور توجہ دی۔ یہاں سے اقبال کی صلاحیتوں کو نمایاں ہونے کا موقع ملا جس کا اعتراف ان کے اساتذہ نے بھی کیا۔

ایف اے پاس کرنے کے بعد آپ وقت کے معروف ترین تعلیمی ادارے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور فلسفہ اور عربی کے مضامین کے ساتھ بی۔اے پاس کیا۔ پھر وہیں سے فلسفہ میں ایم۔اے کیا اور جلد ہی اورینٹل کالج لاہور میں فلسفہ اور اقتصادیات کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ اگلے ہی سال گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ کالج کے زمانہ طالب علمی میں انہیں ڈاکٹر آرنلڈ کی صحبت نصیب ہوئی جو خود انتہائی علم دوست انسان تھے۔ انہیں عربی اور اسلامیات سے بہت دلچسپی تھی۔ عیسائیت پر پختہ یقین کے باوجود تعصب سے پاک تھے۔ ''دعوت اسلام'' ان کی مشہور کتاب ہے۔

۱۹۰۵ء میں آپ برطانیہ گئے۔ کیمبرج میں داخلہ لیا اور فلسفۂ اخلاق کی ڈگری حاصل کی۔ بعدازاں میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کے مقالہ کا عنوان تھا: *Development of Metaphysics in Persia* اب آپ لندن واپس آئے تو بیرسٹری پاس کی۔ یہاں ڈاکٹر آرنلڈ کی غیر حاضری میں چند

ماہ تک ان کے قائم مقام کی حیثیت سے لندن یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے۔ انگلستان میں قیام کے دوران وقت کے چوٹی کے علماء وفضلاء کے ساتھ رابطہ رہا۔

ولایت سے واپسی پر آپ لاہور آ گئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ ۱۹۲۶ء میں دوستوں کے اصرار پر پنجاب کونسل میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے کھڑے ہوئے اور کامیاب ہوئے۔ تین سال تک اس منصب پر رہے اور ملک وقوم کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ آپ کی عظمت کے اعتراف میں برطانوی سرکار نے سر کا خطاب دیا' مگر اُن کی نگاہ میں ان خطابات کی کوئی اہمیت نہ تھی' کیونکہ وہ کسی اور ہی جہاں میں رہتے تھے۔ شعر کہنے کی صلاحیت ان کے اندر کمال کی تھی۔ ابتداء میں جب وقت کے معروف ترین شاعر داغ دہلوی کو اصلاح کے لئے نظمیں بھیجیں تو وہ آپ کے ملکہ شعرگوئی سے متاثر ہوئے اور بعدازاں اقبال کا استاد ہونے پر فخر کرتے رہے۔ اقبال کی شاعری اگرچہ فنی خوبیوں سے بھی مالا مال تھی تاہم ان کا مقصد صرف شعرگوئی یا شعر برائے شعر نہ تھا بلکہ وہ مسلمان قوم کا درد اپنے دل میں محسوس کرتے تھے اور انہوں نے اسی جذبے کو خوبصورت اشعار میں ظاہر کر کے ملت اسلامیہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ اقبال نے قانون کی پریکٹس بھی کی' لیکن شاعرانہ دل' فلسفیانہ مزاج' صوفیانہ طبیعت اور جستجوئے علم کا ذوق رکھنے والے شخص کو وکالت سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وکالت کو چھوڑا اور پوری توجہ کے ساتھ ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے کام میں لگ گئے۔ ۱۹۲۸ء میں آپ کو انجمن اسلامیہ مدراس نے اسلام پر لیکچر دینے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ نے چھ لیکچر دیئے۔ ان لیکچرز کو قبول عام حاصل ہوا۔ اب یہ کتابی صورت میں دستیاب ہیں۔ دسمبر ۱۹۳۰ء میں سرکار برطانیہ نے آپ کو گول میز کانفرنس میں نمائندہ مقرر کر کے لندن بھیجا۔

جدّوجُہدِ آزادی

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۳۰ء میں آپ نے اپنے صدارتی خطبہ میں مسلمانانِ ہند کے لئے ایک آزاد اور خودمختار ریاست کے قیام کا مطالبہ پیش کیا جو

برصغیر کے شمال مغربی علاقوں پر مشتمل ہو جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہ وہ سرزمین ہوگی جہاں مسلمان آئیڈیل اسلامی ریاست قائم کریں گے۔ علامہ اقبال کے یہ الفاظ الہامی ثابت ہوئے اور محمد علی جناح کی آواز پر مسلم قوم نے لبیک کہا۔ چنانچہ نہ صرف انگریز کو برصغیر سے نکل جانا پڑا بلکہ مسلمانوں کو پاکستان کی صورت میں ایک خطہ ارض مل گیا۔ علامہ اقبال کی وفات کو ابھی پورے دس سال نہ گزرے تھے کہ مصورِ پاکستان کے خواب کی تعبیر نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔

علامہ اقبال کا سادہ اندازِ زندگی ہر شخص کو متاثر کرتا تھا۔ ان کا لباس سادہ، رہائش سادہ اور گفتگو بھی سادہ ہوتی تھی۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو سادگی کا نمونہ تھا۔ تکلفات کو آپ ناپسند کرتے تھے۔ آپ کا دروازہ ہر چھوٹے بڑے کے لئے کھلا رہتا۔ جو شخص بھی ملاقات کا خواہش مند ہوتا بلا کسی رکاوٹ کے آپ کو مل سکتا تھا۔

علامہ اقبال نے کبھی نمایاں ہونے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن ان کا بامقصد زندگی گزارنے کا انداز اس قدر پرکشش تھا کہ جلد ہی شہرت کے آسمان کے تارے بن گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بین الاقوامی شخصیت بن گئے۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے آپ کے مقام و مرتبہ کے کئی دوسرے پہلو ظاہر ہو رہے ہیں اور ان کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

علامہ اقبال کا دل سوز و گداز کا خزینہ تھا۔ امت کے درد کو اس قدر محسوس کرتے کہ ملت کی بے حسی کا تذکرہ کرتے کرتے اکثر رونے لگتے۔ رسول اللہ ﷺ کی محبّت میں فنا تھے۔ آپ ﷺ کا نام زبان پر آتے ہی جلتی ہوئی شمع کی طرح پگھلنے لگتے۔ درود شریف کثرت سے پڑھتے۔ ان کے نزدیک محبوبِ خدا کے ساتھ محبت ہی انسان کو اشرف المخلوقات بناتی ہے۔ آپ کے کلام میں سوزِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ نمایاں ہے۔ آپ تنہائی پسند تھے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ مفکر غور و فکر میں ڈوب کر ہی گوہرِ مقصود حاصل کرتا ہے۔ علامہ اقبال ماں باپ کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے۔ والدہ سے حد درجہ محبّت اور الفت رکھتے تھے۔ جب وہ فوت ہوئیں تو آپ برطانیہ میں تھے۔ اس

صدمے پر آپ نے ایک طویل نظم ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' لکھی جو والہانہ جذباتِ محبت سے بھری پڑی ہے۔

آج پاکستان کے قیام کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر اس مملکتِ خداداد میں اسلامی نظام کے نفاذ کی آرزو پوری نہیں ہو سکی۔ مصوّرِ پاکستان اور بانیٔ پاکستان تو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے بعد ملک کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ آئی جن کے دل میں نہ قومی جذبہ تھا اور نہ ہی انہیں مسلمانوں کا مفاد عزیز تھا۔ اگر عزیز تھا تو صرف ذاتی مفاد کہ اس ملک کا اقتدار تادیر سنبھالے رکھیں اور اتنی دولت اکٹھی کر لیں کہ پشتہا پشت تک کے لئے کافی ہو۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں ملک کا یہی انجام ہونا تھا کہ باشندگان پاکستان کا بچہ بچہ بین الاقوامی قرضوں کے نیچے دبا ہوا ہے اور امن و امان کی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی ہے۔ پورا معاشرہ جرائم کی زد میں ہے۔ اقوامِ عالم کی نگاہ میں اس سرزمین کا وقار ختم ہو چکا ہے۔

آج بھی ملک کو اگر صالح قیادت میسر آ جائے' قرآن و سنّت کا نظام نافذ کر دیا جائے اور اقبال کے افکار سے راہنمائی حاصل کی جائے تو مسلمانانِ پاکستان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں اور یہی خطّہ اقوامِ عالم کے لئے امن و امان اور سطوت و عظمت کے لحاظ سے مثالی سرزمین بن سکتا ہے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹّی بہت زرخیز ہے ساقی!

علامہ اقبال بنیادی طور پر سیاست دان نہ تھے اور نہ ہی انہیں عملی سیاست سے کوئی دلچسپی تھی۔ اس کی وجہ اس کے سوا کوئی اور نہیں تھی کہ انہیں نمایاں ہونے کا کسی درجہ میں بھی شوق نہ تھا اور نہ ہی وہ شہرت کے خواہاں تھے۔ البتہ مسلمانوں کی حالتِ زار انہیں خون کے آنسو رلاتی تھی۔ ان کی نگاہِ دُور بیں مستقبل میں مسلمانوں کے حالات دیکھ رہی تھی۔ یہ صورت حال ان کے حسّاس دل کے لئے قابلِ برداشت نہ تھی لہٰذا وہ مسلم اُمّہ کو درپیش مسائل کا حل ڈھونڈنے میں غور و فکر کرتے تھے جس کے نتیجہ میں انہوں نے

محسوس کرلیا کہ برّصغیر کے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ اوّل وہ انگریزوں کو برصغیر سے نکالیں اور بعدہٗ مسلمان ایک آزاد وخودمختار ریاست قائم کر کے ہندوؤں کے تسلّط سے بھی آزاد ہوں۔ یہ تجویز آپ نے اُس وقت پیش کی جب دُور دُور تک انگریز کی غلامی سے نکلنے کے بھی آثار نہ تھے۔ چہ جائیکہ مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ سرزمین کے حصول کے امکان کے متعلق سوچا جائے۔

چنانچہ یہ آپ کے سیاسی تدبر کا شاہکار ہے کہ آپ نے برصغیر کے شمال مغربی علاقہ جات پر مشتمل، جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ایک آزاد مسلم ریاست کی تشکیل کا اشارہ دیا اور اس منصوبے پر عمل درآمد میں ہی برصغیر کی نجات تھی۔ حصولِ آزادی کے اس پروگرام کا نقشہ تیار کر کے اس کے لئے قائد کی تلاش ہوئی تو مضبوط اعصاب کے مالک اور پرخلوص شخصیت محمد علی جناح کی صورت میں مل گئی۔ علامہ اقبال نے خود جناح صاحب کو ان کے اندر موجود صلاحیتوں اور مقام سے آگاہ کیا۔ یقیناً یہ بات بھی ان کی سیاسی بصیرت کا شاہکار ہے۔ علامہ اقبال ایک متواضع اور منکسر المزاج شخصیت تھے۔ انہوں نے جناح صاحب کو مسلمانوں کی قیادت پر آمادہ کیا۔ اس طرح حصول آزادی کا یہ سفر شروع ہو گیا۔ ابتداءً آپ نے سیاسی مزاج نہ ہونے کے باوجود جناح صاحب کے ساتھ کام کرتے ہوئے مسلم لیگ کی ایک صوبائی شاخ کے صدر کے طور پر کام کرنا بھی منظور کر لیا۔ جدّوجہد آزادی کا آغاز ہوا۔ پاکستان کے تصوراتی نقشے میں رنگ بھرنے کا وقت آ گیا۔ پُرخلوص قائدین کی دن رات کی کوششوں کے نتیجہ میں اور لاکھوں جانوں کی قربانیاں دے کر آزاد وطن حاصل ہو گیا مگر افسوس مسلمانوں نے آزادی کی اس نعمت کی کسی درجے میں بھی قدر نہ کی۔ اس آزاد سرزمین پر نظامِ اسلام تو کیا نافذ کرتے اس کو سنبھال بھی نہ سکے۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا ایک بازو اس سے علیحدہ ہو گیا۔ یہ بہت بڑا صدمہ تھا مگر افسوس کہ اس سے بھی نہ کوئی عبرت پکڑی گئی اور نہ ہی سبق سیکھا گیا بلکہ بد سے بدتر کی طرف چلتے گئے۔ آج حالت یہ ہے کہ جس سرزمین کو اتنی لمبی جدوجہد کے بعد اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا وہاں اسلام تو

کیا نافذ ہوتا اسلام سے دوری میں اضافہ ہوتا گیا اور اب اسے سیکولر، سوشلسٹ اسٹیٹ بنانے کے پروگرام بن رہے ہیں۔

قیام پاکستان پر ہمیں قائدین تحریک پاکستان خاص طور پر علامہ اقبال کے احسان کو ماننا چاہئے تھا۔ مگر ہم نے نہ صرف ان کے احسان کو فراموش کیا بلکہ آزاد وطن کی بھی قدر نہ کی۔ حالات کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اگر خدانخواستہ پاکستان قائم نہ ہوتا تو ہندوؤں کی عیّاری اور مکّاری کے نتیجہ میں ہندوستان سے اسلام کا خاتمہ ہو چکا ہوتا بلکہ پورا مشرقِ وسطیٰ ہندوؤں کے تسلّط میں چلا جاتا۔

اگر مجدّد الفِ ثانیؒ کی جدوجہد جو انہوں نے اکبر اعظم کے دین الٰہی کے خلاف کی تھی انتہائی بروقت اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی تو علامہ اقبال کی مسلمانانِ ہند کے لئے ایک علیحدہ آزاد و خودمختار مملکت کے حصول کی کوششیں اس سے بھی زیادہ کامیاب ہوئیں کیونکہ علامہ اقبال کی وفات پر ابھی دس سال ہی گزرے تھے کہ برصغیر کے مسلمانوں کو پاکستان کی صورت میں آزاد اور خودمختار مملکت میں آزادی کا سانس لینا نصیب ہوا۔

حیرت ہوتی ہے کہ ہندی مسلمانوں کے قومی مسائل کا ذکر علامہ کی شاعری میں نظر نہیں آتا۔ مگر تھوڑے سے غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کی شخصیت محدودیت کی قائل نہیں تھی۔ ان کی شاعری کے ابتدائی دور میں وطن کی محبّت کے ترانے ہیں، مگر جب وہ مسلمانوں کی زبوں حالی کو دیکھتے ہیں تو ان کی شاعری کا رخ دفعتاً بدل جاتا ہے اور وہ عالمی ملّتِ اسلامیہ کا درد محسوس کرنے لگتے ہیں اور وہ ''ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا'' اور ''میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے'' کا انداز چھوڑ کر ''مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا'' کہنے لگتے ہیں۔ یعنی اوّل اوّل وہ ہندی قوم پرست شاعر اور بعد ازاں ملّتِ اسلامیہ کے نقیب کی حیثیت سے نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ بات واقعی درست ہے کہ جداگانہ قومی تشخص کے مسئلے کو سیاسی اعتبار سے آپ نے بہت اہمیت دی اور برصغیر کے مسلمانوں میں دو قومی نظریئے کو اجاگر کیا، مگر اس ضمن میں انہوں نے شعر کا ذریعہ اختیار نہیں کیا بلکہ عملی جدّوجُہد کو اپنایا۔

علّامہ نے اُمّتِ مسلمہ کی بے روی کے نتیجہ میں اس کی بربادی کا تذکرہ مرثیہ کے انداز میں کیا ہے، مگر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی بھی یاد دلایا ہے۔ اس طرح انہوں نے شبلی و حالی کے خیالات کی ترجمانی کی۔ مولانا حالی نے اُمت کی حالت زار کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
اُمّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

اور ع

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اب دیکھئے وہ نظم جو صقلیہ (جزیرہ سسلی) پر علامہ نے کہی۔ ع

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار!
وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

اک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصرِ کہن کو جن کی تیغِ ناصبور

مُردہ عالم زندہ جن کی شورشِ قم سے ہوا
آدمی آزاد زنجیرِ توہّم سے ہوا

غلغلوں سے جس کے لذّت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے؟

اسی طرح بانگ درا میں ''بلادِ اسلامیہ'' کی یاد میں لکھی گئی نظم دیکھئے جس میں دلّی، بغداد، قرطبہ اور قسطنطنیہ جیسے عالی شان اسلامی شہروں کی عظمت و رفعت کا مرثیہ انتہائی دل سوزی کے ساتھ کہا ہے۔ اسی طرح ''بالِ جبریل'' کی طویل نظم جو ''مسجدِ قرطبہ''

کے عنوان سے موجود ہے' پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کے دل میں ملّتِ اسلامیہ کے لئے کس قدر درد موجود تھا۔

چونکہ اقبال کی شاعری مقصدیت سے بھرپور ہے اس لئے وہ اُمّتِ مسلمہ کی خستہ حالی کا ذکر تو کرتا ہے مگر اسی پر بس نہیں کرتا' بلکہ وہ مسلمانوں کو ان کا تابناک ماضی اور اُن کے اسلاف کے شاندار کارنامے یاد کراتا اور جرأت و شجاعت کا درس دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی گزشتہ عظیم روایات کو بحال کرنے کا پختہ عزم کر کے بھرپور جدوجہد کا آغاز کر دینا چاہئے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ان کو بتاتا ہے کہ یہ بات لوہے پر لکیر ہے کہ اُمت مسلمہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گی۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا!

یہ کہہ کر وہ مسلمانوں کو ماضی یاد دلاتا ہے اور پھر یہ کہہ کر اُمّتِ مسلمہ کی ہمت بندھاتا اور عزمِ نو کا جذبہ اجاگر کرتا ہے۔ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!

اور ع

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا!

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا — خلیل اللہؑ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے — یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے — کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا!

اور ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اور ؎

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!

بحیثیتِ مجموعی علامہ اقبال پوری ملّت اسلامیہ کا درد پورے خلوص کے ساتھ محسوس کرتے تھے۔ انہیں اُمّتِ مرحومہ کی بیداری کے ساتھ گہری دلچسپی تھی۔ انہیں کسی ایک خطۂ ارض تک محدود کرنا زیادتی ہوگی۔ اُن کی خواہش تھی کہ کرۂ ارضی پر بسنے والے مسلمان ایک مرکز پر اکٹھے ہو جائیں' پھر اس اتحاد کے نتیجہ میں وہ ہر لحاظ سے فاتح عالم اور قائدِ جہاں بن جائیں۔ مگر جب انہیں اپنی یہ خواہش پوری ہوتی نظر نہ آتی تو کسی قدر اداسی کا اظہار کرتے۔ ؎

تیرے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں
ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

علامہ اقبال یگانہ روزگار (Genius) تھے۔ ایسے لوگ وقت سے پہلے پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر پوری بیداری میں مستقبل کے خواب دیکھتے ہیں۔ ان کی بصیرت اس شعر میں ملاحظہ ہو۔ ؎

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!

چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اکتوبر ۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ میں بزدل اور بھگوڑے عربوں نے کس جرأت اور جانبازی کا مظاہرہ کیا اور عالمِ اسلام میں اتحاد کی ایک لہر دوڑ گئی اور عربوں کو کسی قدر وقار حاصل ہو گیا۔ پھر اگلے ہی سال عالمی اسلامی سربراہی کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی جس میں عالمِ اسلام کے اتحاد کا مظاہرہ پورے عالم نے دیکھا۔ اس اجتماع نے کفر کی قوتوں کو چونکا دیا۔ انہوں نے اس کے ردعمل میں مسلمانوں کے اندر افتراق و انتشار پیدا کرنے کی کوششیں بڑی سرگرمی سے شروع کر دیں۔ مسلمانوں کو پہلے بنیاد پرست اور پھر دہشت گرد قرار دیا۔ عالم اسلام کے خلاف

عالمِ کفر کی یہ لہر نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور اسلام دشمن طاقتیں مشینی برتری کے ذریعے مسلمانوں کو نیچا دکھانے میں کامیاب ہوگئیں اور احیائے اسلام کی عالمی تحریک نہ صرف ٹھنڈی پڑ گئی بلکہ پوری دنیا میں مسلمان مجرم اور گردن زدنی ٹھہرے۔ یہ ساری صورتِ حال بھی علامہ کی بصیرت سے اوجھل نہ تھی' اس کے باوجود وہ ٹھنڈی سانس لینے اور گنجِ عافیت اختیار کرنے سے گریزاں تھے' بلکہ جِدّوجُہد کے ذریعے حالات کو تبدیل کر دینے کے قائل تھے۔ وہ ملت اسلامیہ کو پکار کر کہتے ہیں: ع

بتا رہی ہے یہ ظلمتِ شب کہ صبح نزدیک آ رہی ہے!

چنانچہ آج کے حالات جو بظاہر نہایت حوصلہ شکن ہیں' ملّتِ اسلامیہ کے لئے کامیابی کی نویدِ جانفزا لئے ہوئے ہیں۔ واقعاتِ عالم سے جو تیزی سے رونما ہو رہے ہیں' ہر صاحبِ نظر یہ اندازہ لگا رہا ہے کہ پورے عالم میں رسول اللہ ﷺ کے طریق پر نظامِ خلافت قائم ہونے میں اب صدیاں نہیں لگیں گی۔ کیونکہ کفر خود اپنے آپ کو مٹانے کی جانب پیش رفت کر رہا ہے۔

اقبال کی رموزِ دین سے آگاہی

اقبال سیدھے سادھے مسلمان تھے' مگر دین اسلام کے تقاضوں سے پوری طرح واقف تھے۔ قرآنِ مجید کے ساتھ انہیں والہانہ محبت اور عقیدت تھی' کیونکہ انہوں نے رائج الوقت جدید علوم فلسفہ اور عمرانیات کا گہری نظر سے مطالعہ کر رکھا تھا اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ قرآن مجید کے بیان کردہ حقائق ہر زمانہ میں ناقابلِ تردید رہے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ انسانیت کی راہ نمائی کے لئے اللہ کے کلام میں پوری صلاحیت موجود ہے۔ وہ عربی زبان ولغت میں مہارت رکھتے تھے' چنانچہ قرآن فہمی کے راستے میں اُن کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس کے باوجود اُن کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ قرآنِ مجید کے فہم پر عبور حاصل کرنا کسی فردِ بشر کے بس کا کام نہیں۔

علامہ اقبال نے شعوری طور پر سمجھ لیا تھا کہ قرآن ہی عالمِ انسانیت کی قیادت کر

کے دنیا کو جنّت نظیر خطّہ بنا سکتا ہے۔ قرآن فہمی کے اعتبار سے اگر علامہ اقبال کو ترجمان القرآن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ خود اِس بات کے مدّعی ہیں کہ انہوں نے اپنے اشعار کے اندر فکر و پیغامِ قرآن ہی کی ترجمانی کی ہے۔ اور انہیں اس بات پر اتنا وثوق ہے کہ مثنوی اسرار و رموز کے آخر میں ''عرضِ حالِ مصنّف بحضور رحمتٌ لِلعالمین ﷺ'' کے ذیل میں یہاں تک لکھ دیا ہے:۔

گر دلم آئینۂ بے جوہر است ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا!
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا!

''اگر میرے دل کا آئینہ صاف نہیں اور اگر میرے الفاظ میں قرآن کے علاوہ کوئی اور بات ہے تو اے اللہ! میرے خیالات کو قبولِ عام نہ دے اور اس راستے سے مجھے اس طرح الگ کر دے جیسے خارِ راہ کو راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ (اگر میں نے قرآن کی تعلیمات کے خلاف باتیں کی ہوں) تو مجھے محشر کے دن ذلیل و خوار کر دینا اور مجھے رسول اللہ ﷺ کے قدموں کا بوسہ لینے کی بھی اجازت نہ دینا۔''

علامہ کو جو محبّت اسلام اور قرآن کے ساتھ تھی ان اشعار کے پڑھنے سے اُس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آخری شعر پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس بات کا کس قدر یقین تھا کہ انہوں نے اپنے کلام کے اندر قرآن ہی کی ترجمانی کی ہے۔

علامہ اقبال مذہب کا خشک تصور نہیں رکھتے تھے۔ وہ دین کی تشریح و تعبیر میں حسین امتزاج اور اعتدال کے قائل تھے۔ احکامِ دین کے سلسلہ میں وہ روحِ دین کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ عبادات کی اہمیت تو اپنی جگہ مسلمہ ہے لیکن علامہ اقبال کے نزدیک عبادات نتیجہ خیز ہونی چاہئیں۔ اگر عبادات مثلاً نماز اور روزہ انسان کو اچھا نہیں بناتے تو اُن کا فائدہ؟ وہ مسجد کے کسی کونے میں بیٹھ کر ذکرِ الٰہی میں ہمہ وقت مصروفیت کو روحِ دین کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عبادت کا یہ انداز مسنون نہیں ہے۔ اُن کے

نزدیک زندگی ہمہ تن جِدّوجُہد کا نام ہے۔ کیونکہ جب زندگی میں جمود آ جائے تو وہی موت ہے۔ وہ مسلمان کی بے حس زندگی پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ع

یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا!

یعنی جب قوم کو بیدار کرنے' آگے بڑھانے اور غالب کرنے کا تقاضا ہو اُس وقت تن آسانی کے ساتھ اللہ کے ذکر میں مشغولیت کی اجازت نہیں۔ بلکہ مسلمان تو رات کے راہب اور دن کے مجاہد ہوتے ہیں۔ رات کو وہ عبادت میں مشغول اپنے ربّ کے ساتھ راز و نیاز کرتے ہیں جبکہ دن کے وقت وہ چاک و چوبند مجاہد ہوتے ہیں۔

فلسفۂ خودی

علامہ اقبال انسان کو خالق کی شاہکار تخلیق تسلیم کرتے ہیں' اس لئے وہ انسان کے مقام بلند سے بھی واقف ہیں۔ وہ مسجودِ ملائک ہے اور ملائکہ اللہ تعالیٰ کی نورانی' معصوم اور پاکیزہ مخلوق ہیں۔ پس جو اُن کا مسجود ہوا اس کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ اس لئے علامہ کا زور اس بات پر ہے کہ انسان احکام خداوندی پر پیہم عمل پیرا ہو کر اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز رہے نہ کہ اشرفیت کے تقاضوں کو فراموش کر کے حیوانیت کے پست ترین مقام تک گر جائے۔ علامہ اقبال کے فلسفۂ خودی کی بنیاد یہی نظریہ ہے۔ اسی لئے ان کی منزل فنا فی اللہ نہیں بلکہ بقا باللہ ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ انسان کا مقصود خدا یا حیاتِ کُلّی میں جذب ہو جانا اور اپنی ہستی کو مٹا دینا نہیں بلکہ احکامِ خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی ذات کو قائم رکھنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان خدا کی ذات میں فنا نہ ہو جائے بلکہ خدا کو اپنے اندر جذب کر لے' یعنی خدائی صفات کا حامل بن کر خلیفۃ اللہ کے منصب کا اہل ثابت ہو۔ کیونکہ اگر انسان خود اپنے مقام و مرتبہ اور صلاحیتوں سے آگاہ نہ ہو' بلکہ اپنے آپ کو خود ہی کسی اہمیت کا حامل نہ سمجھے تو وہ کیسے کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام دے سکتا ہے اور ستاروں پر کمند کیسے ڈال سکتا ہے!

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو وجودِ خاکی میں ڈھالا تو اس میں اپنی روح میں سے پھونکا۔ اس روحِ ربّانی نے روحِ انسانی کو حقیقی' واقعی' قائم و دائم اور اشرفیت کے مقام

پر فائز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ روحِ انسانی کے اس قرب و تعلق کو استوار کرنا ہی دراصل معرفتِ خود ہے جسے اقبال خودی کا نام دیتا ہے۔ اور جو یہ منزل حاصل کر لیتا ہے اسے معرفتِ خداوندی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی کو صوفیاء نے اس طرح بیان کیا ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ''جس نے اپنا مقام و مرتبہ پہچان لیا گویا اسے معرفتِ ربّ حاصل ہوگئی''۔ یہی وجہ ہے کہ کلامِ اقبال میں خودی کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ کیونکہ اپنی صلاحیتوں سے واقف ہوئے بغیر انسان کوئی قابلِ ذکر کام انجام دے ہی نہیں سکتا' بلکہ کسی مہم پر آگے بڑھنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

خودی کی پہچان انسان کا اپنے خالق کے ساتھ رشتہ مضبوط کر دیتی ہے اور تعلّق کی اسی مضبوطی کا نام محبّت ہے۔ دیکھئے اہل ایمان کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ: ۱۶۶)

پھر یہ محبت دوطرفہ ہو جاتی ہے کہ اللہ بھی محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو اُس کی راہ میں محبت کے تقاضے پورے کرتے ہوں۔ عشقِ خداوندی کے معاملے میں اقبال وصل کی نسبت شوقِ وصل کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں' کیونکہ منزل پر پہنچ کر شوقِ سفر ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ ہمہ وقت عشقِ الٰہی کی مستی میں دم بخود رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

تو نشناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل
چیست حیاتِ دوام؟ سوختنِ ناتمام!

''تو ابھی اس راز سے آگاہ نہیں ہوا کہ وصل سے شوق ختم ہو جاتا ہے۔ (کاش کہ تو جان لے کہ) ہمیشہ کی زندگی کیا ہے؟ مسلسل سلگتے رہنا! (نہ کہ ایک بار بھڑک کر ختم ہو جانا!)''

غرض اقبال تمام زندگی شوقِ وصال یعنی عشقِ الٰہی میں گزارنا چاہتا ہے۔ وہ محض علامتی عبادت کا قائل نہیں بلکہ وہ عبادت کو پوری روحانی توجہ سے ادا کرنا چاہتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عبادت کا مقصد بھی یہی ہے' جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے کہ نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے بچاتی ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب نماز

پڑھنے والا شوقِ وصال کے جذبے سے مصروفِ عبادت ہو۔ وہ کہتے ہیں:۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا سجود بھی حجاب' میرا قیام بھی حجاب!

یا پھر۔

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

وہ اس نمازی مسلمان کو روحانیت سے خالی گردانتے ہیں جو رسمی رکوع وسجود میں مشغول ہو۔ وہ کہتے ہیں:۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اسی لئے اقبال دنیا میں رونما ہونے والے تمام نمایاں کارناموں میں عشق ہی کو کارفرما سمجھتے ہیں' کیونکہ عشق ہی وہ قوت ہے جو ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:۔

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق' صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

حُبِّ رسول

علامہ اقبال اطاعت رسول ﷺ کو عشقِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ یہی صراطِ مستقیم ہے' یہی دینِ مبین ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾

یعنی اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسول ﷺ کا اتباع کرو۔ کیونکہ جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ گویا اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے۔

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾

اور اطاعت محبت کے بغیر نہیں ہوتی' اور اگر بالفرض ہو تو ریاکاری' نمود و نمائش اور بے روح ہوگی۔ پس اطاعتِ رسول ﷺ کے لئے حبِّ رسول ﷺ کا ہونا ضروری

ہے۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں:۔

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

''جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی دولت حاصل ہے تو گویا دنیا کا کل خشک و تر اس کے دامن کے ایک گوشے میں موجود ہے۔''

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

''خود کو درِ مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا کر دم لو' اس لئے کہ اگر تم اس مقام تک نہ پہنچ سکے تو سمجھ لو کہ پھر بولہبی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آ سکے گا!''

اسلام۔ دینِ توحید

علامہ اقبال نے عقیدۂ توحید کو دین کی جڑ اور بنیاد قرار دیا ہے۔ اسی سے شجرِ دین پھوٹتا اور نشوونما پاتا ہے۔ اگر کہیں عقیدہ ہی کمزور ہے تو اس بیج سے صراطِ مستقیم کا پودا جنم نہیں لے سکتا' جبکہ توحید پر پختہ ایمان انسان کو ثابت قدم رکھتا اور طمانیت کی دولت سے مالا مال کرتا ہے' اس کے یقین کو مضبوط کرتا اور عمل کو راسخ کرتا ہے۔ توحید کے حیاتِ انسانی پر جو صحت آفریں اثرات پڑتے ہیں علامہ اقبال اُن کی تحسین کرتے ہیں۔

وحدتِ خالق کی بنیاد پر انسانیت میں اخوت کا جذبہ اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وحدتِ خالق کا مطلب ہے کہ ہر انسان کا خالق ایک ہی ہے خواہ وہ انسان کالا ہو' گورا ہو' امیر ہو' غریب ہو' دنیا کے کسی خطے میں رہتا ہو' کوئی زبان بولتا ہو' اچھا ہو برا ہو' کسی بھی تہذیب سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ عقیدہ انسانوں میں یگانگت اور اپنائیت کا احساس پیدا کر کے محبت اور پیار کے جذبات ابھارتا ہے' دشمنیاں مٹتی ہیں' دوستیاں پروان چڑھتی ہیں' امن و امان قائم ہوتا ہے' دنگا فساد ختم ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:۔

کُلُّ مُؤمِن اِخوَۃٌ اندر دلش
حریت سرمایۂ آب و گلش

ناشکیبِ امتیازات آمدہ
در نہادِ او مساوات آمدہ

''اس کے (یعنی بندۂ مومن کے) دل میں یہ حقیقت جاگزیں ہے کہ تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں! اسی طرح جذبۂ حریت بھی اس کے ضمیر میں رچا بسا ہوا ہے، وہ (نسلی، لسانی یا علاقائی) امتیازات سے بالکل ناواقف ہے اور مساوات اس کی سرشت میں موجود ہے!''

توحیدِ باری تعالیٰ حاکمیت کا ایک تصور پیدا کرتی ہے۔ اگر سب لوگ ایک اللہ کے بندے ہیں تو سب کا حاکم بھی ایک ہی ہوا۔ اسی ایک کے حکم کے سامنے سب گردن جھکا دیں گے۔ اسی طرح سیاسی اعتبار سے سب لوگوں کا ایک حاکم پر اتفاق ہو جائے گا، اسی کا حکم مانا جائے گا، اس کے حکم کی موجودگی میں کسی دوسرے کے حکم کی اطاعت کا مطلق جواز نہ ہوگا۔ حاکمیتِ مُطلقہ کے اس تصور کے خلاف دنیا میں وطنی قومیت کا تصور رائج اور ہر دل عزیز ہو رہا ہے۔ علامہ اس مہلک غلط فہمی کا شدت سے احساس کرتے ہوئے راہِ راست کی تلقین کرتے ہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:۔

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور — تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے — غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوّت سے قوی ہے — اسلام ترا دیس ہے تُو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے!

اسی طرح معاشی نظام میں توحید کے اصول کو اپناتے ہوئے علامہ اقبال تمام دیگر نظاموں کو بے انصافی پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ وہ اسلامی اصول ملکیت کی بالادستی پر گہرا یقین رکھتے ہیں، جس کی رو سے ہر شے کا مالک حقیقی دراصل اللہ ہے۔ ساری زمین اللہ

کا ملک ہے لہٰذا اللہ کی ملکیت ہے۔ قرآن شریف میں موجود ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے۔ حتیٰ کہ جو چیزیں انسانوں کی انفرادی ملکیت میں ہیں ان کا مالک بھی درحقیقت اللہ ہی ہے۔ خود انسان بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے' بلکہ اس کی تمام صلاحیتیں بھی اللہ ہی کی عطا کردہ اور امانت ہیں۔ ان چیزوں اور صلاحیتوں کے استعمال میں انسان کو اختیار تو دیا گیا ہے لیکن اُسے جگہ جگہ تنبیہہ کر دی گئی ہے کہ کسی بھی چیز پر اپنی ملکیت مطلقہ کا دعوے دار نہ ہو جائے۔ ملکیت کے بجائے امانت کا یہ تصور توحید کا لازمی نتیجہ ہے۔ بقول شیخ سعدی ع

ایں امانت چند روزہ نزدِ ما است
درحقیقت مالک ہر شے خدا است

''یہ (میرا جملہ مال واسباب دُنیوی) میرے پاس ایک عارضی امانت ہے' ورنہ ہر شے کا مالک حقیقی تو خدا ہی ہے۔''

علامہ اقبال جاگیردارانہ نظام کو ظلم و استبداد سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی عین اسلامی تعلیم ہے' کیونکہ اسلام میں ناجائز ذرائع سے دولت کمانا جائز نہیں۔ پھر جائز طریقہ سے دولت کمانا مگر اسے جمع کر کے رکھنا بھی درست نہیں' بلکہ مال دار کو کہا گیا ہے کہ تمہاری دولت میں ناداروں اور کمزوروں کا حق ہے جو اُن کو پہنچانا تمہاری ذمّہ داری ہے۔ اگر صاحبِ ثروت اس حق کی ادائیگی نہیں کرتے تو وہ سخت گنہگار ہیں۔ یہ صورتِ حال علامہ کو خون کے آنسو رلاتی ہے کہ کارخانہ دار اپنی تجوریاں بھرتا جائے اور مزدور مفلوک الحال ہی رہے' یا زمیندار مزارع کی مشقت پر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرے اور کسان عسرت اور بے چارگی کا شکار رہے' جبکہ محنت کسان کی ہو اور کھیتی اللہ تعالیٰ پیدا کرے۔ قرآن میں آتا ہے ﴿لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ تو جو زمین میں محنت نہیں کرتا وہ اس کی پیداوار کا مستحق کیسے بن گیا۔ علامہ کہتے ہیں کہ متوازن نظامِ معیشت اسلام ہی کا عطا کردہ ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین!

بندۂ مؤمن امیں حق مالک است
غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است

''بندۂ مومن (اپنے مال ومتاع کا صرف) امین ہے مالک خدا ہے۔ خدا کے سوا جو کچھ دیکھتے ہو سب فانی اور ہلاک ہو جانے والا ہے!''

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دِہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب

''کارخانہ دار تو مزدور کی خون پسینے کی کمائی سے جواہرات میں کھیلتا ہے اور زمیندار کے ظلم سے کسان کی مٹی پلید ہوتی ہے۔''

اس ضمن میں وہ انقلاب کا نعرہ لگاتے ہیں اور زمیندار کو جھنجھوڑتے ہیں اور کاشتکار کو وصولیٔ حق پر ابھارتے ہیں:۔

دِہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں' تیری نہیں
تیرے آباء کی نہیں' تیری نہیں' میری نہیں!

اور پھر ع

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہ ہو روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو!

آج کے رائج الوقت معاشی نظام کی بنیاد سود پر ہے۔ اور سود اسلام میں حرام ہے' بلکہ اسلام تو دولت کو اللہ کی راہ میں اور مساکین اور حاجت مندوں پر خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اقبال اس تصور کی دل و جان سے حمایت کرتا ہے اور قرآن کے الفاظ قُلِ الْعَفْوَ کی ترجمانی کرتا ہے:۔

با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ
ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ

''رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے کہا کہ جان ہتھیلی پر رکھ لیں (یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لئے کمر کس لیں) اور جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو وہ سب (اللہ کی راہ میں) دے ڈالیں!''

پھر وہ کہتے ہیں:۔

ہیچ خیر از مردکِ زر کش مجو !
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا

''دولت سمیٹنے والے سے کسی بھلائی کی توقع نہ کرو۔ (اس لئے کہ قرآن نے صاف فرمادیا ہے کہ) تم نیکی کا مقام ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جب تک (بجائے سمیٹنے اور جمع کرنے کے) خرچ کرنے کی عادت نہ ڈالو۔''

پھر وہ کہتے ہیں:۔

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!
کس نداند لذّتِ قرضِ حَسَن
از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ
آدمی درّندہ بے دندان و چنگ

''سود سے سوائے فساد کے اور کس چیز میں اضافہ ہوسکتا ہے؟ (افسوس کہ) بغیر سود قرض دینے کی لذت کسی کو معلوم نہیں!
سود سے روح تاریک اور دل اینٹ پتھر کی طرح سخت ہوجاتا ہے اور انسان بغیر دانتوں اور پنجوں کے درندہ بن جاتا ہے۔''

قرآن اور اقبال

علامہ اقبال جس طرح رسول اللہ ﷺ کو محبوب جانتے تھے اسی طرح کتاب اللہ کی عظمت و جلالت کے واقعی شناسا تھے۔ وہ قرآن کو سرچشمہ ہدایت مانتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے قرآنی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کی اور سارے عالم پر چھا گئے' آج بھی اگر مسلمان قرآن کے راہ نما اصول اپنالیں تو قائد عالم بن سکتے ہیں۔ انسان کی حقیقی کامیابی کے لئے قرآن کافی ہے۔ حیاتِ دُنیوی میں جس نظام کے لئے راہ نمائی مطلوب ہو قرآن کی آیات وہاں کفایت کرتی ہیں' خواہ وہ معاشی نظام ہو یا سیاسی نظام' معاشرتی نظام ہو یا نظامِ تعلیم۔

علامہ اقبال نے اپنے دَور کی اعلیٰ ترین سطح کی تعلیم حاصل کی' انسانی تہذیب و تمدن کی اونچ نیچ کو دیکھا' قدیم و جدید فلسفے کو پڑھا' وقت کی غالب تہذیبوں کو اپنی آنکھ

سے دیکھا' مگر آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ حیاتِ دُنیوی میں سکون و اطمینان قرآن کی تعلیمات کے علاوہ اور کہیں نہیں۔ اُن کے نزدیک طائفہ انسانیت کو صحیح سمت میں صرف قرآن ہی چلا سکتا ہے اور صرف یہی هُدیً لّلنّاس ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی عظمت اور مقام اقبال پر الہام ہوئے ہیں' کیونکہ وہ قرآن پاک کے جلال و جمال کو حقیقی طور پر محسوس کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید کو وہ بے نظیر و بے مثل کتاب قرار دیتے ہیں اور اس کی عظمت و جلالت کے سامنے بچھے جاتے ہیں:

آں کتابِ زندہ' قرآنِ حکیم — حکمتِ او لا یزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوّتش گیرد ثبات
حرفِ او را ریب نے' تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمتہٌ لّلعالمیں
رہزناں از حفظِ او رہبر شدند — از کتابے صاحبِ دفتر شدند
آنکہ دوشِ کوہ بارش بر نتافت — سطوتِ او زہرۂ گردوں شگافت
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست ایں — زندہ و پائندہ و گویاست ایں
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست — عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست

''وہ زندہ کتاب ''قرآن حکیم''، جس کی حکمت لازوال بھی ہے اور قدیم بھی! زندگی کے وجود میں آنے کے رازوں کا خزینہ' جس کی حیات افروز اور قوّت بخش تاثیر سے بے ثبات بھی ثبات و دوام حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے الفاظ میں نہ کسی شک و شبہ کا شائبہ ہے نہ ردّ و بدل کی گنجائش اور اس کی آیات کسی تاویل کی محتاج نہیں۔ نوعِ انسانی کے لئے (خدا کا) آخری پیغام' جس کے لانے والے تمام جہانوں کے لئے رحمت قرار پائے (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے یاد کر لینے کے باعث یا اس کی حفاظت میں آ کر رہزن اور لٹیرے رہبر و رہنما بن گئے اور اس کتاب کے طفیل وہ خود بہت سی کتابوں کے مصنف بن گئے! وہ (کتاب) جس کے بوجھ کو پہاڑ بھی نہ اٹھا سکے اور جس کے دبدبے سے آسمان

کا پتہ بھی پھٹ کر رہ گیا! (اس کتاب کے بارے میں) جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں کچھ اور ہی شے ہے! یہ ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے لہٰذا اسی کے مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی اور جیتی جاگتی بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی! اس کی آیتوں میں سینکڑوں تازہ جہان آباد ہیں اور اس کے لئے ایک ایک لمحے میں بے شمار زمانے موجود ہیں!''

علّامہ اقبال کے مندرجہ بالا اشعار پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے کلام کو انسانیت کے لئے واحد نسخہ حیات جانتے تھے۔ اسی کتاب کا اعجاز ہے کہ اخلاق سے عاری معاشرے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحبِ جلال وکمال لوگ پیدا ہو گئے اور اُس ردّی معاشرے کی کایا پلٹ گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب کبھی Out dated ہونے والی نہیں' وہ ہر زمانے کے تقاضوں پر پوری اترنے والی کتاب اور ہر قسم کے حالات میں راہ نما اصول دینے والی تعلیم پر مشتمل ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے' جس طرح ذاتِ باری تعالیٰ ہر طرح کے نقص اور کمزوری سے پاک ہے اسی طرح اس کا کلام بھی کسی قسم کی بوسیدگی کا شکار نہیں ہوسکتا' بلکہ ہر دور میں نئے نئے پیدا ہونے والے مسائل کا بہترین حل پیش کرتا ہے۔

مسلمانوں نے غفلت کو شعار بنا لیا اور قرآنِ مجید سے اپنا تعلق کمزور کر لیا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان مغلوب اور ذلیل وخوار ہو گئے' اقوامِ عالم کی نگاہ میں مسلم اُمہ کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ عام مسلمانوں کا تو کیا کہنا علماء نے بھی لوگوں کو فقہی مسائل میں الجھائے رکھا اور قرآن سے دُور کرتے گئے۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان کا قرآنی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہ رہا اور قرآن محض عقیدت کی ایک علامت اور تقدس کا مظہر ٹھہرا' برکت کے لئے تلاوت کیا جاتا' ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر اونچی جگہ پر رکھا جاتا' قسمیں اٹھانے کے لئے استعمال کیا جاتا' اس کے الفاظ پر مشتمل تعویذ لکھے جاتے' آیاتِ قرآنی کو من پسند معنی دیئے جاتے۔ اُمت کی اس حالت نے علامہ اقبال کو خون کے آنسو رلایا۔ وہ اُمت کی اس پستی کا واحد سبب قرآن سے دوری قرار دیتے ہیں۔ وہ

کہتے ہیں کہ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

وہ اُمتِ مرحومہ کو قرآن کی طرف پلٹنے کی دعوت دیتے ہیں اور اسی میں کامیابی سمجھتے ہیں۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی — شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ — در بغل داری کتابِ زندۂ
اے گرفتارِ رسومِ ایمانِ تو — شیوہ ہائے کافری زندانِ تو!
قطع کردی امرِ خود را در زُبُر — جادہ پیمائی اِلٰی شَیْءٍ نُکُر
گر تو می خواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بقرآن زیستن

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب!

''(اے مسلمان!) تیری ذلت اور رسوائی کا اصل سبب تو یہ ہے کہ تو قرآن سے دور اور بے تعلق ہو گیا ہے' لیکن تو اپنی اس زبوں حالی پر الزام گردشِ زمانہ کو دے رہا ہے! اے وہ قوم کہ جو شبنم کے مانند زمین پر بکھری ہوئی ہے (اور پاؤں تلے روندی جا رہی ہے)! اٹھ کہ تیری بغل میں ایک کتاب زندہ موجود ہے! (جس کے ذریعے تو دوبارہ بامِ عروج پر پہنچ سکتی ہے!) اے مسلمان! تیرا ایمان رسومات کے بندھنوں میں جکڑا ہوا ہے اور تو خود کفر کے طور طریقوں کے زندان میں اسیر و مقید ہے! تو نے اپنی وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کر لیا ہے اور اب ایک خوفناک انجام کی طرف تیزی سے رواں دواں ہے! (اب) اگر تو (دوبارہ) مسلمان ہو کر جینے کا خواہش مند ہے تو (اچھی طرح جان لے کہ) اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنی حیاتِ نو کی بنیاد قرآن پر قائم کرے! اس کتاب کا حق تلاوت تم ادا کرو' پھر جو مقصد و مطلب چاہو حاصل کر لو۔''

وہ خاص طور پر علماء کو یاد دہانی کراتے ہیں کہ وہ ''خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں — ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق'' کا انداز چھوڑ کر قرآن کی خالص

تعلیمات کو عام کرنے کا طریقہ اختیار کریں' کیونکہ اُمت کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے یہی ایک راستہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم — تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم؟
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن — نکتۂ شرع مبیں را فاش کن!

''اے وہ شخص یا قوم جسے حاملِ قرآن عظیم ہونے پر فخر ہے! آخر کب تک حجروں اور گوشوں میں دبکے رہو گے؟ (اٹھو اور) دنیا میں دین حق کے اسرار و رموز کو عام کرو اور شریعت اسلامی کے رموز و حکم کی تشہیر و اشاعت کے لئے سرگرم ہو جاؤ۔''

الغرض علامہ کے نزدیک اُمّت کے جملہ امراض کے لئے شفا بخش نسخہ صرف قرآنِ حکیم ہے اور ملّت کے مُردہ جسم میں از سرِ نو جان ڈالنے کے لئے آبِ حیات بھی قرآن ہی فراہم کرتا ہے۔

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات — در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات
می دہد ما را پیامِ لا تَخَفْ — می رساند بر مقامِ لا تَخَفْ
گوہرِ دریائے قرآں سفتہ ام — شرحِ رمزِ صبغتُ اللہ گفتہ ام
پس بگیر از بادۂ من یک دو جام — تا درخشی مثلِ تیغِ بے نیام!

''(اے مسلمان!) اگر دوام و ثبات اور قوت و استحکام کا طالب ہے تو قرآن کے سامنے دست سوال دراز کر۔ اس لئے کہ مجھے قرآن ہی کے مخفی چشموں میں آبِ حیات کا سراغ ملا ہے۔ یہ ہمیں بے خوفی کا پیغام ہی نہیں دیتا' بالفعل اس مقام تک بھی پہنچا دیتا ہے جہاں نہ خوف باقی رہتا ہے (نہ حزن!) میں نے قرآن کے بحرِ بیکراں کے موتی بیندھ لئے ہیں اور ''صبغۃ اللہ'' کے اسرار و رموز کی شرح بیان کر دی ہے۔ پس (اگر خدا توفیق دے تو) میری شراب کے ایک دو جام چڑھا' یعنی میرے فکر اور پیغام سے سرشار ہو کر آمادۂ عمل ہو جا تاکہ تو شمشیر برہنہ کے مانند چمکنے لگے!''

اور ع

از یک آئینی مسلماں زندہ است — پیکرِ ملّت ز قرآں زندہ است!

(باقی صفحہ ۷۱ پر)

وحدتِ ادیان

اسلام کے خلاف مکروہ سازش

تحریر: ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

''وحدتِ ادیان'' ایک ایسا پُر فریب نعرہ ہے جس کا شکار وہ لوگ تیزی سے ہو رہے ہیں جنہیں ہمارے ہاں اونچی سوسائٹی کے لوگ یا مراعات یافتہ طبقہ کہا جاتا ہے۔ اور صرف ہمارے ہاں یعنی پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا کے تمام ترقی پذیر اور خصوصاً اسلامی ممالک میں یہ اصطلاح تیزی سے اس طبقے میں پھیلائی جارہی ہے جو اپنے مالی' کاروباری' سیاسی یا بیوروکریٹک اثر ورسوخ کی وجہ سے اقتدار کے ایوانوں کے قریب یا ان پر مسلط رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈپلومیٹک (سفارتی) سٹاف اور فارن مشنز (Foreign Missions) میں کام کرنے والے لوگوں میں بھی اس کا چرچا عام ہے۔ بعض ممالک میں بعض تنظیموں نے چند قدم آگے بڑھ کر اس حوالہ سے کانفرنسوں اور سیمینارز کا اہتمام بھی کیا ہے۔ اس اصطلاح کے موجدوں اور اس کی ترویج و اشاعت کے ذمہ داروں کا اگلا ہدف یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیم کے ادارے ہیں' جہاں تعلیمی کیڈر سے تعلق رکھنے والے آزاد خیال لوگوں کو بطور ایجنٹ استعمال کرنے اور اس مکروہ نعرہ کو مقبولِ عام بنانے کے لئے کام شروع کر دیا گیا ہے اور بعض ملکوں میں (بشمول پاکستان کے بعض شہر) اندر ہی اندر یہ کام شروع ہو چکا ہے۔ اب اساتذہ اور پڑھے لوگ پبلک مقامات اور انٹر یونیورسٹی (اندرون جامعات) ہونے والی تقاریب میں مل بیٹھنے اور چائے ریفرشمنٹ کے وقفوں میں اس پر گفتگو کرنے لگے ہیں۔

یوں تو وحدتِ ادیان پر گزشتہ نصف صدی سے وقتاً فوقتاً مختلف ممالک میں شوشے چھوڑے جارہے ہیں مگر نئے انداز سے ''وحدتِ ادیان'' کا تصور اس نیو ورلڈ آرڈر کا پیش کردہ ہے جسے دورِ حاضر کا بدنام زمانہ منصوبہ کہا جانا چاہئے۔ اس تصور کو عام کرنے

کے لئے دو باتوں کو بطور خاص پیش کیا جا رہا ہے اور وہ دو باتیں بظاہر بڑی سادہ ہیں مگر ان کے پیچھے موجود کفر و ضلالت کا ایک طوفان ہے جو بہت جلد اہلِ اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے کر ملیامیٹ کرنا چاہتا ہے۔

بین الاقوامی پریس میں اس موضوع پر آئے دن مضامین و مقالات شائع ہو رہے ہیں جنہیں پڑھ کر ایک عام مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ کیا اکیسویں صدی ایک نئے مذہب کی صدی ہوگی جو اسلام' یہودیت اور نصرانیت کا ملغوبہ ہوگا؟ وہ دو باتیں جن کی طرف لوگوں کو انتہائی مکاری کے ساتھ متوجہ کیا جا رہا ہے وہ یہ ہیں:

۱) مشترکہ عبادت گاہوں کی تعمیر

۲) مشترکہ کتابِ مقدس کی اشاعت

پہلی سکیم یا منصوبہ یہ ہے کہ تمام ممالک میں اور خصوصاً اسلامی ممالک میں اب بڑی بڑی مساجد کی بجائے ایسے ہال تعمیر کئے جائیں جن کا ایک حصہ مسلمانوں کے لئے، ایک یہودیوں کے لئے اور ایک عیسائیوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے' جہاں وہ اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر سکیں اور اس ہال یا عمارت کو مشترکہ عبادت گاہ کا نام دیا جائے جو وحدتِ ادیان کی علامت بن کر اُبھرے۔ آگے چل کر اس ہال کے تین حصّوں کو ایک ہی بنانے اور اس میں ہر تین مذاہب کے لوگوں کو آزادانہ شانہ بشانہ اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کا حق دینا ہے۔ ابتدائی طور پر جہاں ایسے مشترکہ ہال تعمیر کرنے میں دشواری ہو وہاں مستقبل کی رہائشی اسکیموں میں عبادت گاہوں کے نام سے پلاٹ اس طرح مخصوص کئے جائیں کہ جب ان پلاٹوں پر مسجد تعمیر ہو تو اسی کے ساتھ ایک طرف چرچ اور دوسری طرف ٹمپل (یہود کی عبادت گاہ) بھی تعمیر کیا جائے۔ اس طرح کی مشترکہ عبادت گاہیں فوری طور پر بین الاقوامی ہوائی اڈوں' جامعات اور عوامی مقامات پر تعمیر کرنے کا پروگرام ہے۔

دوسری سکیم یا منصوبہ ''مشترکہ کتابِ مقدس'' کی اشاعت ہے' یعنی قرآن اور بائبل (تورات و انجیل) اس طرح اکٹھے شائع کئے جائیں کہ وہ ایک ہی جلد میں مجلد ہوں اور تینوں مذاہب (اسلام' یہودیت اور نصرانیت) کی مشترکہ عبادت گاہوں میں

رکھے جائیں۔

ایسے ممالک جہاں ان دو منصوبوں پر کام شروع ہو چکا ہے وہاں آباد مسلمانوں میں غم و غصہ اور تشویش پائی جاتی ہے اور وہ علماء اسلام سے اس سلسلہ میں رجوع کر رہے ہیں۔ مفتی اعظم سعودی عرب اور جامعہ الازہر (مصر) کے رئیس و شیخ الجامعہ کو اس سلسلہ میں روزانہ خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ سعودی عرب کی گرینڈ علماء کونسل کے سامنے بھی یہ مسئلہ پیش ہو چکا ہے اور اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (یعنی سعودی عرب کی علمی مسائل و معاملات اور فتاویٰ کے سلسلہ میں قائم مستقل کمیٹی) نے اس پر اپنی تفصیلی رائے اخبارات و جرائد کو جاری کی ہے۔

اسلام تمام ادیان کا ناسخ ہے

اسلام کے ان اعتقادی اصولوں کے مطابق جن پر اہلِ اسلام کا اجماع ہے' اس وقت روئے زمین پر اسلام کے سوا کوئی سچا مذہب نہیں پایا جاتا اور اسلام سابقہ تمام ادیان کا ناسخ اور خاتم ہے۔ چنانچہ کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کامل ترین اور جامع ترین طریقہ سوائے اسلام کے اب اور کوئی نہیں۔ اس سلسلہ میں اس ارشادِ باری سے بھی راہنمائی ملتی ہے جس میں کہا گیا ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

''جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے یا پسند کرے تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا''۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد اسلام وہ ہے جو آپؐ لے کر آئے' اس کے سوا سب غیر اسلام ہے۔

قرآن سابقہ کتابوں کا ناسخ ہے

قرآن کریم کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ آخری کتاب ہے اور یہ اس سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی ناسخ ہے' خواہ وہ زبور ہو' تورات ہو یا انجیل۔ چنانچہ اب قرآنِ کریم کے سوا کسی اور کتاب کے مطابق

اللہ کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (المائدہ:۴۸)

''(اے نبیؐ!) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو اس سے پہلے (کتاب) ہے اور یہ محافظ ہے اس پر تو آپ فیصلہ فرما دیں ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا اللہ نے اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے''۔

تورات وانجیل کے موجودہ نسخے محرّف ہیں

اس نظریہ پر ایمان لانا ضروری ہے کہ تورات وانجیل قرآن سے منسوخ ہوچکیں' پھر ان میں بہت سی تحریف وتبدیلیاں اور کمی وبیشی ہوچکی۔ جیسا کہ اس کا ذکر قرآنی آیات میں بھی ہے۔ مثلاً ایک آیت اس سلسلہ میں یوں ہے:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ .....﴾ (المائدۃ:۱۳)

''بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دُور کر دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ اللہ کے کلام کو اپنی اصل جگہ سے بدل دیتے ہیں اور انہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی' اور آپ ان کی خیانت پر ہمیشہ آگاہ ہوتے رہیں گے بجز ان کے چند آدمیوں کے.....''

ایک اور آیت طیبہ میں ہے:

﴿فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ﴾ (البقرۃ:۷۹)

''پس ہلاکت ہو اُن کے لئے جو خود اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں' پھر کہتے ہیں یہ تو اللہ کی طرف سے ہے' تاکہ اس کے بدلے معمولی قیمت وصول کرلیں'

پس ہلاکت ہو ان کے لئے ان کے ہاتھوں سے لکھنے کی وجہ سے اور ہلاکت ہو اُن کے لئے اس مال کی وجہ سے جو وہ اس طرح کماتے ہیں''۔

انہی کے بارے میں اللہ ربّ العزت نے مزید فرمایا:

﴿وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران:۷۸)

''بے شک ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ موڑتے ہیں تاکہ تم خیال کرنے لگو کہ یہ بھی اصل کتاب ہی سے ہے' حالانکہ وہ کتاب سے نہیں' اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے اترا ہے' حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں اترا' اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں''۔

ان آیاتِ طیبات سے واضح ہوا کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں کس قدر من گھڑت باتیں شامل کر کے طرح طرح کی تبدیلیاں پیدا کیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی اس دھاندلی کا پردہ چاک کر دیا اور وضاحت فرما دی کہ ان کتابوں میں بہت کچھ رطب و یابس یہ کہہ کر شامل کر دیا گیا کہ یہ اللہ ہی کا نازل کردہ ہے' حالانکہ پروردگار نے اسے نازل نہیں کیا۔ اس وضاحت کے بعد یہ بات از خود ثابت ہوگئی کہ اب ان کتابوں میں اگر کچھ اصل باتیں باقی بھی ہوں تو وہ نزولِ قرآن سے منسوخ ٹھہریں اور جو اصل نہیں' بعد کی شامل کردہ ہیں' وہ از خود باطل و مردود ہیں۔

تورات وانجیل اب قابلِ استفادہ نہیں

نزولِ قرآن کے بعد تورات وانجیل سے استفادہ کرنا یا انہیں قابل استفادہ سمجھنا ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔ مسند احمد بن حنبل اور سنن دارمی وغیرہ کی روایت ہے' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا نسخہ دیکھ کر نبی اکرم ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا: ''اے عمر! کیا تم کسی شک میں مبتلا ہو؟ کیا میں تمہارے پاس ایک روشن اور صاف ستھری کتاب نہیں لایا؟ اس وقت اگر میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا''۔ (۱)

نبی اکرم ﷺ پر تمام اقوام وملل کا ایمان لانا ضروری ہے

اسلام کے اعتقادی اصولوں میں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ ہمارے نبی و رسول سیّدنا محمد ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں' جیسا کہ خود رب العزت نے صراحت سے فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں' بلکہ وہ تو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں''۔

چنانچہ نبی آخر الزّماں علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد اور کوئی نبی و رسول قابلِ اتباع نہیں رہا' اور اگر انبیائے سابقین میں سے کوئی زندہ ہوتا تو اسے بھی حضور ﷺ ہی کی اتباع کرنا لازم ہوتی۔ اس سلسلہ میں ارشادِ خداوندی ملاحظہ فرمایئے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۝﴾ (آل عمران: ۸۱)

''اور یاد کرو جب اللہ نے انبیاء سے پختہ وعدہ لیا کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو میں تمہیں کتاب وحکمت سے دوں' پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تصدیق کرنے والا ہو اُن کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ (اس کے بعد فرمایا) کیا تم نے اقرار کرلیا اور اس پر تم نے میرا بھاری ذمہ اٹھالیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے فرمایا) تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں مطلع کیا ہے کہ جب وہ قیامت کے قریب دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو وہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے تابع ہوں گے اور حضور ہی کی شریعت کے احکامات کا نفاذ کریں گے۔ اللہ رب العزت کا یہ ارشاد بھی اتباعِ محمد اور پیروئ نبی آخر الزماں

ﷺ کی تاکید میں نازل ہوا۔ فرمایا:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ﴾ (الاعراف:۱۵۷)

''وہ لوگ جو اس نبی اُمی و رسول کی اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس تورات وانجیل میں''۔

اسلام کے اعتقادی اصولوں میں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت تمام لوگوں کے لئے عام ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (سبا:۲۸)

''ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا (بنا کر) مگر اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے''۔

ایک اور جگہ اسی سلسلہ میں فرمایا:

﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ...﴾ (الاعراف:۱۵۸)

''اے نبی (ﷺ)! آپ فرما دیجئے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں.....''

اسی طرح اور بہت سی ایسی آیاتِ طیبات ہیں جن سے نبی اکرم ﷺ کا قیامت تک کے لئے نبی بنا کر بھیجا جانا اور آپ ہی کی اتباع واجب ہونا ثابت ہے۔

حضور ﷺ پر ایمان نہ لانے والے کافر ہیں

اسلام کے اعتقادی اصولوں میں یہ بات بھی طے ہے کہ ان تمام لوگوں پر کفر کا حکم لگایا جائے گا جو نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان نہ لائیں، خواہ وہ مشرک ہوں یا اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ)۔ اور انہیں کافر ہی کہا جائے گا اور انہیں اللہ کے دشمن، اللہ کے رسول کے دشمن اور مؤمنین کے دشمن کہا جائے گا۔ اور وہ جہنمی ہیں۔ اس سلسلہ میں ارشاداتِ خداوندی بڑے واضح ہیں۔ دیکھئے:

﴿ لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ﴾ (البینۃ:۱)

''کفر کرنے والے اہلِ کتاب اور مشرکین اپنے دین کو چھوڑنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل آ جائے''۔

اسی سورت میں دوسری جگہ اہلِ کتاب کو کافروں میں شمار کرتے ہوئے کہا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَاؕ اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ﴾ (البینۃ:٦)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے اہلِ کتاب میں سے کفر کیا اور شرک کرنے والے سب جہنم کی آگ میں ہوں گے' اس میں ہمیشہ رہیں گے' وہی ساری مخلوق میں بدتر ہیں''۔

صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّةِ یَھُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ)) (٢)

''اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کہ اس اُمت کے لوگوں میں سے جس کسی نے بھی میرے بارے میں سنا ہو' خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی' پھر وہ مجھ پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ جہنمی ہو کر مرے گا''۔

وحدتِ ادیان کی دعوت ایک مکروہ چال ہے

ان مذکورہ بالا اعتقادی اصولوں اور شرعی حقائق کے پیش نظر ''وحدتِ ادیان'' کی دعوت اور ان ادیان میں قرب پیدا کرنے اور پھر انہیں ایک دین بنانے کی دعوت دراصل ایک فعل خبیث ہے اور دشمنانِ اسلام کی ایک مکروہ چال ہے۔ اس دعوت وفکر کا مقصد حق و باطل کے امتیاز کو ختم کر کے انہیں خلط ملط کرنا ہے اور اس طرح اسلام جو بعثت مصطفیٰ (علیہ السلام) کے بعد سے واحد سچا دین اور واحد قابلِ اتباع و واجب تعظیم دین قرار پایا ہے' اس کو نقصان پہنچانے کی یہ ایک گہری سازش ہے۔ یہ ایک طرح کی کفر کی مہم ہی نہیں بلکہ اندر ہی اندر اسلام کے خلاف (گوریلا) جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چال سے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ

استطاعوا (البقرة:۲۱۷)

''اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے لوٹا دیں اگر اس کی استطاعت پائیں''۔

لڑائی کے معنی لازمی طور پر یہی نہیں کہ دو بدو لڑا جائے اور اسلحہ کا استعمال ہو' بلکہ جنگ کے اور بھی بہت سے انداز ہیں' دوست بن کر اور دوستی کی دعوت دے کر دھوکہ دینا اور دوستی کے لبادے میں دشمنی کرنا اور جڑیں کاٹنا یہ یہود و نصاریٰ کی پرانی عادت رہی ہے۔ اب بھی یہی کیا جا رہا ہے کہ ''وحدت ادیان'' کا خوشنما نعرہ لگا کر دراصل اسلام کو کمزور اور بالآخر ختم کرنا مقصود ہے۔

اللہ ربّ العزت نے اہل اسلام کو طاغوت کی ایسی چالوں سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

ودّوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء (النساء:۸۹)

''وہ دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کا ارتکاب کرو جیسے انہوں نے کفر کیا' تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ''

اب اس آیت کریمہ کی روشنی میں ''وحدت ادیان'' کے اس نعرہ اور دعوت پر غور کیجئے کہ کیا ان کی یہی سازش نہیں کہ وہ اہل اسلام کو بھی اپنے ساتھ ملا کر اپنے جیسا کر لیں اور سب کو برابر کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اب اس دعوت کے نتیجہ میں سب مسلمان تو ہوں گے نہیں' ہاں البتہ جو انہیں حق پر اور سچے مذہب پر قائم ماننے لگا وہ انہی جیسا (کافر) ہو جائے گا اور یہی ان کی چال ہے۔

اس دعوت کا مقصد شہادتوں کا زیاں اور جہاد کی نفی ہے

اس دعوت گناہ کا مقصد اسلام اور کفر کے مابین قائم فرق و امتیاز کو ختم کرنا ہے اور معروف و منکر کا فرق مٹانا ہے۔ اس طرح مسلم و کافر کے مابین قائم ایک آڑ اور حد کو ختم کرنا ہے۔ چنانچہ اس نتیجہ میں جہاد اور اللہ کے دین حق کی سربلندی کی خاطر پیش کی جانے والی شہادتوں کا خاتمہ مطلوب ہے اور اللہ کی سرزمین میں اللہ کا نام بلند کرنے والوں کو ایک مکروہ حیلے کے ذریعے جہاد سے روکنا اور منع کرنا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم

ہر دور کے لئے اور قیامت تک کے لئے اہل اسلام کو یہ ہے کہ:

۞ قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون ۞ (التوبۃ:۲۹)

''جنگ کرو ان سے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں سمجھتے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا اور دین حق کو قبول نہیں کرتے' وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں کتاب دی گئی۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ذلیل وخوار ہو کر''۔

اب بتایئے' بھلا شراب نوش اور خنزیر خور' زنا کار اور ہم جنس پرست لوگوں کے ساتھ ''وحدتِ ادیان'' کے کسی معاہدہ و معاملہ میں شریک ہوا جا سکتا ہے؟ وہ جن کے نزدیک ہم جنس پرستی سمیت ہر وہ کام جائز ہو جسے عوام اور پارلیمنٹ جائز وحلال قرار دے دے' اگرچہ اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہو' ایسے لوگوں کے ساتھ ''وحدتِ ادیان'' کی پینگیں بڑھانا سراسر کفر و ارتداد ہے۔ انہیں تو نیچا دکھانے' زیر دست رکھنے اور ان سے جنگ کرتے رہنے کا حکم ہے نہ کہ ان کی دعوت وحدت ادیان پر لبیک کہنے اور ان سے دوستی گانٹھنے کا۔ ارشادِ باری ایسے مشرکوں کے بارے میں یوں ہے:

۞ وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین ۞ (التوبۃ:۳۶)

''جنگ کرو تمام مشرکوں سے جیسے وہ جنگ کرتے ہیں تم سب سے' اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے''۔

اس دعوت پر لبیک کہنا ارتداد ہے

''وحدتِ ادیان'' کی دعوت اگر کوئی مسلمان پیش کرے یا اس پُرفریب نعرے کا پروپیگنڈہ کرے اور اس مقصد کے لئے کام کرے تو وہ مرتد شمار ہوگا اور اسلام سے اس کا تعلق ختم متصور ہوگا' کیونکہ یہ دعوت اسلام کے بنیادی اعتقادی اصولوں سے متصادم ہے۔ ایسی دعوت کا داعی گویا اللہ کے ساتھ کفر کرنے کی دعوت دے رہا ہے اور قرآن کی حقانیت کو باطل کر رہا ہے' اس طرح وہ قرآن کے اس حکم کے خلاف کام کر رہا ہے

جس میں سابقہ ادیان و مذاہب اور کتب کو منسوخ قرار دیا گیا۔ چنانچہ یہ ایک قابلِ مذمت اقدام ہوگا اور ایسا اقدام کرنے والا ادلّہ شرعیہ' قرآن وسنت اور اجماع کے بموجب مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔

قابل غور امور

مذکورہ بالا آٹھ ضروری باتوں کی روشنی میں اہل اسلام کو درج ذیل امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

☆ کوئی بھی مسلمان جو اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ' اسلام کو اپنا دین اور نبی اکرم ﷺ کو اپنا نبی ورسول سمجھتا ہو اسے ''وحدتِ ادیان'' کی مکروہ دعوت دینا' اس کے لئے کام کرنا' اس پر پسندیدگی کا اظہار کرنا اور مسلمانوں میں اس کا پروپیگنڈہ کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اس دعوتِ گناہ کی خاطر کسی قسم کی کانفرنسیں منعقد کرنا' سیمینار اور اجتماعات کرانا یا ان میں شریک ہونا بھی گناہ ہے۔

☆ کسی مسلمان کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ تورات وانجیل (بائبل) کی الگ سے طباعت کرے چہ جائیکہ وہ قرآن کریم کے ساتھ ملا کر ان کو چھاپے' شائع کرے اور ایک ہی جلد میں ان تینوں کو جمع کر کے ان کی طباعت واشاعت کا اہتمام کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو یہ اس کی گمراہی اور دین سے دوری متصور ہوگی' کیونکہ کوئی مسلمان حق و باطل کو یکجا کرنے کی جرأت و جسارت نہیں کرسکتا۔ ان کتابوں کو جمع کر کے اکٹھے شائع کرنا عین حق (قرآن) اور تحریف شدہ ومنسوخ شدہ (تورات وانجیل) کو جمع کرنا ہوگا جو کہ ناجائز اور باعث گناہ ہے۔

☆ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسجد' چرچ اور یہودی ٹمپل اکٹھے بنائے یا بنانے میں شریک ہو' کیونکہ ایسا کرنا دراصل دیگر دو مذہبوں کو سچا جانتے ہوئے ان کی عبادت گاہ بنانے اور تعمیر کرنے میں شریک ہونا ہے۔ یہ ایک مادی فکر اور گمراہ کن اعتقاد ہے کہ تینوں مذاہب (اسلام' یہودیت اور عیسائیت) سچے ہیں اور دنیا میں روئے زمین پر آباد لوگ جس مذہب کو چاہیں اختیار کرسکتے ہیں۔ یہ کھلی گمراہی

ہے۔ کیونکہ اب اسلام کے سوا نہ کوئی دوسرا دین اصل حالت میں باقی ہے اور نہ سچا ہے' بلکہ تمام ادیان وشریعتیں قرآن کے آجانے کے بعد منسوخ قرار پا چکیں اور اب کسی کو بھی اپنی مرضی کا دین اختیار کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق سب کو دین اسلام' دین مصطفیٰ کو قبول کرنا اور اس کو اختیار کرنا لازم ہے' اور جو کوئی اس سے انحراف کرے گا وہ اللہ کا باغی ہوگا۔ کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ﴾ (آل عمران:۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنا چاہے تو یہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا''۔

اسی طرح چرچوں یا یہودی عبادت گاہوں کو اللہ کے گھر کہنا بھی جائز نہیں' کیونکہ ان میں اب اللہ کے حکم کے مطابق عبادات نہیں کی جاتیں' بلکہ اپنی خواہش نفس کے مطابق عبادات ہوتی ہیں۔ اللہ کا آخری حکم تو یہ ہے کہ عبادات قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کی جائیں اور وہی عبادات معتبر اور عنداللہ مقبول بھی ہوں گی جو اُس کے آخری حکم کے مطابق ہوں۔ اس اصول کی روشنی میں دیکھ لیجئے کہ چرچ اور ٹمپل میں ہونے والی عبادات کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ اور جب وہ عبادات' عبادات نہیں رہیں تو ان کے لئے بنائے جانے اور تعمیر کئے جانے والے عبادت خانے' ''بیوت اللہ'' (اللہ کے گھر) کہلانے کے مستحق کیونکر ہوں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ اب ان عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت نہیں بلکہ کفر ہو رہا ہے' سو یہ ''بیوتِ کفر'' یعنی کفر گاہیں کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے مجموع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ "لیست البیع والکنائس بیوت اللّٰہ"(۳) یعنی یہودی عبادت خانے اور چرچ اللہ کے گھر نہیں ہیں۔

اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دی جائے' ان کی دعوت پر لبیک نہ کہا جائے

کافروں کو دعوتِ اسلام دینا عموماً اور اہل کتاب کو دعوتِ اسلام دینا خصوصاً ازروئے نصوصِ قطعیہ صریحہ مسلمانوں پر واجب ہے۔ مگر اس دعوت کا انداز حکیمانہ ہونا ضروری ہے۔ ہاں البتہ دعوت اسلام کے حکیمانہ انداز میں اس بات کا خیال ضروری

ہے کہ اپنے اصول وضوابط میں سے کسی سے بھی دستبرداری نہیں کی جائے گی بلکہ دعوت دین کا انداز ایسا ہو کہ دوسرے کو دلیل سے قائل کیا جائے اور اگر وہ قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تا کہ اس ارشاد باری پر عمل مکمل ہو کہ:

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ (الانفال:۴۲)

''یعنی ہلاک ہو جائے جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ رہے جسے زندہ رہنا ہے دلیل سے۔''

اللہ ربّ العزت نے اہل کتاب کو دعوت دین دینے کے بارے میں کس قدر جامع بیان سکھایا ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران:۶۴)

''کہہ دیجئے: اے کتاب والو! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا ربّ نہ بنائے۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دیجئے کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں''۔

اس انداز میں تو اہل کتاب سے بات ہو سکتی ہے' مگر ان کی خواہش کے مطابق ان سے ڈائیلاگ کرنا اور ان کے حسب خواہش اپنے وقار سے کم تر درجہ میں اتر کر ان سے بات کرنا اور ان کی ماننا اور اپنے اصولوں سے اعراض کرنا خود کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ اللہ ربّ العزت نے اس سلسلہ میں کیا عمدہ بات فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ﴾ (المائدۃ:۴۹)

''ان سے بچتے رہئے کہیں وہ آپ کو اس کے کچھ حصہ سے پھیر نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے''۔

اس قدر ہوشیار اور خبردار کی جانے والی قوم بھی اگر یہود و ہنود کی سازش کا شکار ہو

کر ''وحدتِ ادیان'' کے پُر فریب نعرہ کا شکار ہو جائے تو اس کو اس کی بدبختی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے!

ضرورت اس امر کی ہے کہ ''وحدتِ ادیان'' کے غلاف میں لپٹے ہوئے اس مکروہ فتنہ کا سدّ باب کرنے کی خاطر علماء و مبلغین اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ کی اس سازش کو ناکام بنا دیں۔

انبیاء علیہم السلام پر بائبل کے الزامات

وہ تحریف شدہ تورات و انجیل جسے یہودی اور عیسائی کتابِ مقدس سمجھ کر اب تک سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور ''وحدتِ ادیان'' کے لبادے میں جسے قرآن کے مساوی قرار دینے اور قرآن کے ساتھ شائع کرنے کی سازش ہو رہی ہے اس کے چند اقتباسات نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا تا کہ اہل اسلام کو صورتِ حال کی نزاکت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی کتابِ مقدس کیا کہتی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

انجیل (عہد نامہ قدیم) کی کتاب سلاطین کے باب ۱۱ کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے:

> ''اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا۔ سلیمان انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا''۔ (۴)

گویا انجیل محرّف کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا اولوالعزم پیغمبر مبتلائے عشق زناں ہوا (معاذ اللہ) اس سے بڑا الزام کسی پیغمبر پر کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن اہل کتاب نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بعض انبیاء پر اعلانیہ زنا کی تہمت عائد کی۔ حضرت لوط علیہ السلام پر الزام تراشی کرتے ہوئے انجیل محرّف کی کتابِ پیدائش میں آنجناب علیہ السلام پر تہمتِ زنا ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے (نقل کفر کفر نہ باشد):

> ''اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ

تھیں' کیونکہ اسے ضغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے' تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں' تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی' پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی' اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی' آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تُو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو' تا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں' سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی' پر اس نے نہ جانا کہ کب وہ لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اس کا نام موآب رکھا۔ وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام بن عمی رکھا' وہی بنی عمون کا باپ ہے جو آج تک موجود ہیں''(۵)۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

اسی طرح عیسائیوں نے اللہ کے ایک پاک پیغمبر پر تہمت لگانے کی ناپاک جسارت کی۔ اور صرف یہی نہیں' انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے پر الزام لگایا کہ اس نے اپنے باپ کی بیوی سے زنا کیا اور باپ نے اسے کچھ نہ کہا۔ انجیل محرّف کی کتاب پیدائش باب ۳۵ میں ہے:

''روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا''۔(۶)

حضرت داؤد علیہ السلام پر بھی تہمت زنا لگائی گئی۔ سفر سموئیل ثانی باب ۱۱ میں ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ظہر کے بعد اپنے بستر سے اٹھے اور شاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگے' اتفاقاً ان کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی اور وہ بڑی خوبصورت تھی' داؤد نے کسی آدمی کو بھیج کر اس عورت کی نسبت معلوم کرایا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ''اوریا'' کی بیوی بت سبع ہے۔ پھر داؤد نے آدمیوں

کو بھیج کر اس عورت کو پکڑ والیا اور اس کے ساتھ صحبت کی' پھر وہ اپنے گھر واپس چلی گئی اور اسے حمل رہ گیا''۔(۷)

متذکرہ بالا بیانات عیسائیوں کی مشہور کتاب مقدس انجیل (محرّف) میں موجود ہیں۔ قرآن کریم نے ان تمام الزامات سے ان انبیاء کرام کو بری قرار دیتے ہوئے ان کی شان بیان کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر لگنے والے الزامات بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

قرآن اور عصمتِ انبیاء

بعض انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بائبل کے بیانات آپ نے پڑھے۔ اب دیکھئے قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کی گواہی کس طرح دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کے ذریعے اپنے ان برگزیدہ بندوں پر عائد ہونے والے الزامات کی قلعی کھولنے کے لئے کس قدر عمدہ کلمات میں ان کی شان بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ﴾ (سبا: ۱۰)

''اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑا فضل عطا کیا''۔

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾ (ص:۱۷)

''اور یاد کیجئے ہمارے طاقتور بندے داؤد کو' وہ بے شک بہت رجوع کرنے والا (توبہ کرنے والا) تھا''۔

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ.....﴾ (ص:۲۶)

''اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا نائب بنایا''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾ (ص: ۳۰)

''اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا' وہ کیا ہی اچھا بندہ ہے' بے شک وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا ہے''۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ

الْخَبٰٓئِثَ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۞ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ط اِنَّهٗ من الصّٰلِحِيْنَ ۞﴾ (الانبیاء:۷۵)

''اور ہم نے لوط کو حکم اور علم عطا کیا اور اس بستی سے ان کو نجات دی جس کے باشندے ناپاک کام کرتے تھے' بے شک وہ بدترین قوم تھے نافرمانی کرنے والے۔ اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کیا' بے شک وہ صالحین میں سے تھے''۔

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۞﴾ (الشعراء:۱۶۰۔۱۶۲)

''قوم لوط کے لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کے ہم قبیلہ لوط نے ان سے کہا: کیا تم نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں''۔

﴿وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۞﴾

(الصّٰفّٰت:۱۳۳'۱۳۴)

''بے شک لوط پیغمبروں میں سے ہیں۔ جب ہم نے انہیں اور ان کے سب گھر والوں کو نجات دی''۔

حضرات ابراہیم' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۞ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۞ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۞﴾ (ص:۴۵۔۴۷)

''اور یاد کیجئے ہمارے بندوں ابراہیم واسحاق اور یعقوب' قوت والوں اور نگاہِ بصیرت والوں کو۔ بے شک ہم نے ان کو برگزیدہ کیا ایک امتیازی صفت کے ساتھ جو آخرت کے گھر کی یاد ہے۔ اور بے شک وہ سب ہماری بارگاہ میں ضرور برگزیدہ و پسندیدہ بندوں میں سے ہیں''۔

مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ کے مطالعہ کے بعد اہل ایمان خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا ایک ایسی کتاب کو جس میں انبیاء کی توہین و اہانت کی باتیں ہوں' ایک ایسی کتاب کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے جس میں انبیاء کی عظمت و شان کی باتیں ہوں اور جس کے منزل من اللہ ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہ ہو۔ یقیناً بائبل اور قرآن کی ایک ہی جلد میں

اشاعت کا اہتمام حق و باطل کو یکجا کرنے اور باطل کو حق کا درجہ دینے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کو دشمن کی اس نئی چال سے بچنے کی بصیرت نصیب فرمائے۔ آمین!

حواشی

۱) سنن دارمی' مقدمہ۔ و مسند احمد بن حنبل ۲) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ الی جمیع الناس۔

۳) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ' جلد ۲۳' ص ۱۶۳ ۴) عہد نامہ قدیم' کتاب سلاطین' باب ۱۱

۵) عہد نامہ قدیم' کتاب پیدائش' باب ۱۹' آیت ۳۰ ۶) عہد نامہ قدیم' کتاب پیدائش' باب ۳۵' آیت ۲۳

۷) عہد نامہ قدیم' سفر سموئیل ثانی' باب ۱۱

بقیہ: علامہ اقبال اور پاکستانی قوم

ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست!

چوں گہر در رشتۂ او سفتہ شو! ورنہ مانندِ غبار آشفتہ شو!

''وحدتِ آئین ہی مسلمان کی زندگی کا اصل راز ہے اور ملت اسلامی کے جسد ظاہری میں روح باطنی کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے۔ ہم تو سرتاپا خاک ہی خاک ہیں' ہمارا قلب زندہ اور ہماری روحِ تابندہ تو اصل میں قرآن ہی ہے۔ (اے ملت اسلامی! اب بھی وقت ہے کہ تو) اپنے آپ کو موتیوں کی طرح قرآن کے رشتے میں بیندھ اور پرو لے' ورنہ پھر اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ خاک اور دھول کے مانند پریشان اور منتشر (اور ذلیل وخوار) رہ!''

معلوم ہوا کہ علامہ کے نزدیک مسلمان کی انفرادی زندگی بھی قرآن کی روشنی میں کامیاب ہوسکتی ہے اور مسلمان بطور ایک اُمت کے بھی اللہ کی رسی یعنی قرآنِ مجید کے ساتھ تعلق مضبوط کر کے ہی عظمت رفتہ حاصل کر سکتے ہیں۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن

نیست ممکن جز بقرآں زیستن!

''اگر تو مسلمان بن کر زندہ رہنا چاہتا ہے تو یہ قرآن کے بغیر ممکن نہیں ہے!''

وصیّت

فرحت عزیز

وصیّت کا لفظ وصیّت کرنے والے کی جانب ایک عہد کی حیثیت رکھتا ہے' جب تک کہ اس کو پورا نہ کیا جائے۔ یعنی ایک شخص کا دوسرے شخص کو اپنی موت کے بعد ملکیت کے تصرف کا حق دینا وصیّت کہلاتا ہے۔ یہ اختیار مال میں بھی ہوسکتا ہے اور کسی تک کوئی چیز پہنچانے کے بارے میں بھی' چاہے یہ کسی کو غلام ہبہ کرنے کے معنی میں ہو۔ وصیّت واضح الفاظ میں ہو یا نہ ہو یہ بالاتفاق ایک جائز عقد ہے۔ وصیّت کو باب الجنایات والدّیات کے ساتھ مختص کیا جاتا ہے' کیونکہ وصیّت کا انعقاد موت کے وقت ہوتا ہے۔ وصیّت کرنے والے کے مال کو بیع اور اجارہ میں منتقل نہیں کیا جاسکتا' کیونکہ موت کے بعد ایجاب وقبول ممکن نہیں۔ (۱)

قرآن میں اکثر مواقع پر لفظ وصیّت کو استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

۱) ﴿وَوَصّٰی بِهَا اِبْرٰهِیْمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (البقرۃ:۱۳۲)

''ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو اس بات کی وصیّت کی کہ بے شک اللہ نے تمہارے لئے دین کو چن لیا ہے' بس تم صرف مسلمان ہی مرنا''۔

۲) ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ..... ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا اور جس کا ہم نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا.....''

۳) ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

تَعْقِلُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۵۱)

''اور جس کا خون کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ۔ اس نے تم کو اس کا تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو''۔

۴) ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (النساء: ۱۳۱)

''اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی یہی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور اب تم کو بھی یہی تاکید کر رہے ہیں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو''۔

۵) ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ.....﴾ (العنکبوت: ۸، لقمان: ۱۴، الاحقاف: ۱۵)

''اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے''۔

۶) ﴿وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ (مریم: ۳۱)

''اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں''۔

۷) ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ.....﴾ (المائدۃ: ۱۰۶)

''اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آ جائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو شہادت کا نصاب یہ ہے کہ دو صاحب عدل آدمی گواہ بنائے جائیں جو تم میں سے ہوں.....''

۸) ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (البقرۃ: ۱۸۲)

''ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے نادانستہ یا قصداً حق تلفی کے ارتکاب کا اندیشہ ہو، پھر یہ شخص متعلقین میں باہم مصالحت کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں''۔

۹) ﴿وَصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾ (البقرۃ: ۲۴۰)

''وہ اپنی بیویوں کے بارے میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک ان کو نان ونفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں''۔

۱۰) ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ

وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَا اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (النساء: ۱۱)

''اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔ اور اگر (میّت کی وارث) دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو مورث چھوڑ مرا ہے۔ اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا۔ اگر میّت صاحب اولاد ہو تو اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے اور اگر میّت کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو ایک تہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر میّت کے بھائی بہن بھی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا (یہ سب حصے اُس وقت نکالے جائیں گے) جبکہ وصیّت جو میّت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اُس پر ہو ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون سا شخص فائدہ پہنچانے میں تم سے قریب تر ہے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے علم اور حکمت والا ہے''۔

احادیث سے وصیّت کی اہمیّت کافی واضح ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے:

۱) حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص اپنے والدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں بہت زیادہ بیمار تھا۔ میرے پاس رسول اللہ ﷺ آئے۔ میں نے آپؐ سے پوچھا کہ بے شک میرے پاس بہت زیادہ مال ہے جبکہ میرا کوئی وارث نہیں، ہاں صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں اپنا پورا مال وصیّت کر جاؤں؟ آپؐ نے جواب دیا کہ ''نہیں، بلکہ ایک تہائی مال کی وصیّت کرو''۔ جب میں نے دوبارہ سوال کیا تو آپؐ نے پھر وہی جواب دیا اور کہا کہ: ''ایک تہائی بہت زیادہ ہے''۔ (۲)

۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک تہائی بہت زیادہ اور بڑا حصّہ ہے''۔(۳)

۳) آنحضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''ترکہ وراثت کو دیناروں میں تقسیم نہ کرو''۔(۴)

۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام نے مجھے ہمسائے کے بارے میں اتنی وصیّت کی کہ مجھے اس کے وراثت میں حصّہ دار ہونے کا گمان ہونے لگا''۔(۵)

۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی (قابل وصیت) چیز ہے تو دو راتیں گزرنے سے پہلے اس کے بارے میں تحریری وصیّت کر لے۔(۶)

۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اگر آدمی مرضِ موت میں مبتلا ہو تو مرنے سے پہلے وصیّت کر جائے۔(۷)

۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک ایک آدمی ستر سال تک ٹھیک عمل کرتا ہے اور وصیّت کرتے وقت اسے خوف محسوس ہوتا ہے اور وہ برائی کا مرتکب ہو جاتا ہے تو اسے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا' اور اگر ایک آدمی ستر سال سے بُرے عمل کرتا ہے مگر وصیّت میں عدل کو پیش نظر رکھتا ہے' پھر وہ عمل خیر کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا''۔(۸)

یہ تمام احادیث قانونِ وراثت کے نزول سے پہلے کی ہیں جن میں آپؐ نے وصیّت کی اہمیّت کو ظاہر کیا تھا۔ مگر قانونِ وراثت کے نازل ہونے کے بعد وصیّت کی کچھ حدود و قیود مقرر ہوئیں۔ شریعت اسلامیہ کا حکم ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلے اس کا قرض ادا کیا جائے۔ بعد ازاں اس کی وصیّت پر عمل کیا جائے گا اور اس کے بقیہ ترکہ کو وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ قرض کی ادائیگی کا مقدم ہونا تو عین انصاف ہے اور شریعت نے وصیّت کی حدود و قیود عائد کر دیں اور وارثوں کے لئے وصیّت کو باطل کر دیا۔(۹) جیسا کہ حدیثِ نبویؐ ہے:

''حضرت ابوأمامہ الباہلیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ حجۃ الوداع میں فرماتے سنا کہ: ''بے شک اللہ نے ہر حق دار کا حصہ مقرر کر دیا۔ پس وارثوں کے لئے وصیّت جائز نہیں''۔(۱۰) جعفر محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ''ورثاء کے حق میں وصیّت باطل ہے''۔(۱۱) اسی طرح جابر بن عبداللہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''قاتل کے بارے میں کوئی وصیّت نہیں''۔(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت کوئی درہم و دینار ورثے میں نہیں چھوڑے اور نہ کوئی بکری اور اونٹ' نہ ہی کسی چیز (مال و جائیداد وغیرہ) کی وصیّت کی''۔(۱۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نماز اور غلاموں سے حسنِ سلوک کی وصیّت کی۔(۱۴)

وصیّت موت کے بعد ملکیت کے تصرف کا اختیار ہے جبکہ مرنے والا اپنا اختیار ملکیت ضائع کر دیتا ہے۔ کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ اور اجماع سے اس کے جواز کی دلیلیں ملتی ہیں۔(۱۵)

وصیّت کے چار ارکان ہیں:

۱) وصیّت کرنے والا (مُوصی)
۲) جس کے لئے وصیّت کی جائے (مُوصیٰ لہٗ)
۳) جس چیز کی وصیّت کی جائے (موصیٰ بہٖ)
۴) صیغہ(۱۶)

الجزیری کے مطابق وصیّت میں ایجاب قبول سے پہلے باطل ہو جاتا ہے۔(۱۷) جبکہ المرغینانی کے مطابق ایجاب وصیّت کرنے والے کی جانب سے ایک ضروری رکن ہے' اور جہاں تک قبول کا تعلق ہے یہ شرط نہیں ہے۔(۱۸) اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے: ﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۞﴾ (النجم:۳۹) ''بے شک ہر انسان کے لئے اتنا ہی ہے جتنی اس نے کوشش کی''۔ ہاں البتہ ایجاب قبول کے موافق ہونا

ضروری ہے۔ (۱۹) وصیّت کرنے والے کا بالاتفاق ملکیت پر تصرف کا حق ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ اپنی وصیّت سے رجوع کر لے یا وصیّت کرنے کے بعد باطل کر دے تو یہ جائز ہے۔ (۲۰) اس بات پر بھی ائمہ کا اتفاق ہے کہ ورثاء کے حق میں وصیّت باطل ہے۔ (۲۱) جس شخص کے لئے وصیّت کی جا رہی ہے اس کا موجود ہونا ضروری ہے۔ موصیٰ لہ کا مسلم ہونا یا اہل وطن ہونا شرط نہیں ہے۔ خیال رہے کہ موصیٰ لہ ملکیت کی چیز نہ ہو اور نہ ہی مجہول ہو۔ (۲۲) اسی طرح ان گنت لوگوں کے حق میں وصیّت باطل ہوتی ہے۔

امام محمدؒ نے ''الاملاء'' میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی وصیّت میں کہے کہ میرا تہائی مال پڑوسیوں کے لئے ہے تو وصیّت درست ہوگی۔ (۲۳) جس چیز کی وصیّت کی جا رہی ہے اس کا مال ہونا اور قائم و مطلق ہونا ضروری ہے۔ (۲۴) اگر موصیٰ بہ کی مقدار متعین نہ ہو تو اس میں فقہاء کا ابہام ہے کہ حساب کر کے مقدار کا تعین کیا جائے۔ وصیّت ایک تہائی ترکہ سے زیادہ کی نہ ہو۔ وارث نہ ہوں تو کل مال کی وصیّت بھی جائز ہے اور ورثاء کی اجازت سے ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت جائز ہو جاتی ہے۔ اگر بعض ورثاء اجازت نہ دیں تو وارث کے حصہ کی وصیّت قدر سے جائز ہوگی اور رد کرنے والوں کے حصوں سے وصیّت باطل ہوگی۔ دوسرے کے مال کی نسبت وصیّت کرتے ہوئے آدمی کا موت سے پہلے اجازت لینا ضروری ہے۔ منافع کے بارے میں وصیّت کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر موصی کا کوئی اور مال موصیٰ بہ کے سوا نہ ہو تو موصیٰ لہ کو موصیٰ بہ کا ایک تہائی ملے گا اور باقی تہائی وارثوں کو ملے گا خواہ ایک وصیّت ہو یا اکٹھی کئی وصیّتیں کی جائیں۔

اگر جملہ وصیّتیں اللہ کے لئے ہوں تو یہ دونوں حالتوں سے خالی نہ ہوں گی۔ یا تو وصیّتیں فرائض، واجبات یا نوافل ہوں گی یا فرائض، واجبات، نوافل سبھی اقسام کی ملی جلی ہوں گی۔ اگر جملہ وصیّتیں ایک جیسے فرائض ہوں تو انہیں پہلے نافذ کیا جائے گا اور بعد میں نوافل ادا ہوں گے۔ (۲۵)

وصیّت ایسے طور پر ہونی چاہئے جس سے مستحق رشتہ داروں کے حقوق تلف نہ ہوں۔ (۲۶) موصی کے رجوع کرنے یا مجنون ہو جانے سے وصیّت باطل ہو جائے گی۔ (۲۷) اسی طرح اگر موصیٰ بہ کوئی متعین چیز نہ ہو تو پھر بھی وصیّت باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک تہائی سے زیادہ وصیّت بھی باطل ہوگی۔ وصیّت کے ذریعے اگر ورثاء کے حصوں میں کمی بیشی کر دی جائے تو بھی وصیّت باطل ہوگی۔ کیونکہ قرآن نے وارثوں کے حصے خود مقرر کئے ہیں۔ (۲۸)

اسلام میں قانونِ وصیّت کے نفاذ سے مقصود یہ رجحان پیدا کرنا ہے کہ مسلمانوں کی جائیداد میں ان کے دوسرے بھائی بھی شامل ہیں۔ جن دوست' احباب' عزیز و اقرباء اور غرباء کو انسان زندگی میں دیتا رہتا ہے ان کو مرنے کے بعد بھی اس کی جائیداد سے کچھ حصّہ مل جائے تاکہ قانون اسلامی کسی طرح بھی فطرت انسانی کے خلاف نہ رہے۔

قرآن کے احکام وصیّت کے نفاذ سے بہت سی پوشیدہ حکمتیں اور مصلحتیں واقع ہوتی ہیں۔ آیاتِ میراث میں وصیّت کی بار بار تاکید اس بات کی متقاضی ہے کہ جہاں اسلامی قانونِ وراثت جاری ہو وہاں لازماً اسلامی قانون وصیّت بھی نافذ ہو' بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وراثت کے ساتھ ساتھ وصیّت کا قانون نافذ نہ کرنا صریحاً احکام قرآنی کی خلاف ورزی ہے۔ اسی قانون کی جو توضیح رسول اللہ ﷺ نے کی' یعنی وارث کے لئے وصیّت جائز نہیں اور ایک تہائی تک وصیّت کی جائے' اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی حق دار کے ساتھ وصیّت کر کے ظلم کرنے کی کوشش نہ کی جائے' ہاں اگر کوئی قانونی حیلہ کی آڑ میں اس اختیار کا غلط استعمال کرے تو باقی ممبران خاندان اس کی اصلاح کریں یا اسلامی عدالت سے رجوع کر کے اس سقم کو درست کیا جائے۔ (۲۹)

حوالہ جات

۱) الراغب الاصفهانی' معجم مفردات الفاظ القرآن' ص ۵۴۲' مکتبة مرتضویه لاحیاء الاثار الجعفریة ..... بدون تاریخ۔ والجوهری العلامة' الشیخ عبد الله العائلی' الصحاح فی اللغة والعلوم' ج۲' ص ۶۹۵۔ دار الحضارة العربیة' بیروت

۱۹۷٤ ـومختار القاموس علی طریق مختار الصحاح والمصباح والمنیر' ص ٦٦٠' عیسٰی البابی الحلبی' الطبعة الاولی' ۱۹٦٤ءـوابن منظور العلامة ' ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم' لسان العرب' ج۱۵'ص ۳۲۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' بدون تاریخ ـ والزبیدی' محمد مرتضی الحسینی والواسطی الحنفی' محب الدین ابی فیضی' تاج العروس من جواهر القاموس' ج۳' ص ۸۹ ـومحمد فرید وجدی ' دائره معارف القرآن' ج۲۰' ص ۷۸٦ ـ دار المعرفت بیروت'بدون تاریخ ـ والعلامة اللغوی' معجم متن اللغة' احمد رضا بیروت '۱۹۵۸ءـ والجزیری' عبدالرحمن بن محمد عوفی' کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة' ج۳' ص ۲۵۰' المکتبة دار احیاء التراث العربی' الطبعة الثانیة '۱۹۹۸ءـ والقرطبی' احمد بن رشد بن ابواسید محمد' بدایة المجتهد ونهایة المقتصد' ج۱' ص ۳۳٦ ـ مکتبه مصطفی البابی الحلبی واولاده'بدون تاریخ ـ

۲) ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی' الجامع الصحیح وهو السنن الترمذی' ج٤' ص ۵۳۰' دار عمران بیروت بدون تاریخ

۳) البخاری' ابو عبد اللّٰه محمد بن اسماعیل' صحیح البخاری ' ج'۲' ص ۲۲۳۹' دار ابن کثیر' دمشق ـ ومسند احمد ج۲' ص ٤٤۸ الطبعة الرابعة ۱۹۹۰ء

٤) احمد بن حنبل' الامام' مسند الامام احمد بن حنبل' ج۲' ص ۲۷۳' مکتبة دار الباز مکة المکرمة 'الطبعة الثانیة...... ۱۹۹۳ء

۵) المرجع السابق' ج۲' ص ٤٤۸

٦) البخاری' صحیح البخاری' ج۲' ص ۲۲۳۹

۷) الدارقطنی' علی بن عمر' سنن دار القطنی' ج۲ ' ص ۱۵۱' دار احیاء التراث العربی ۱۹۹۳ء

۸) القزوینی' ابو عبد اللّٰه محمد بن یزید' سنن ابن ماجه' ج۲' ص ۲۲' دار الحدیث القاهرة' بدون تاریخ

۹) مودودی' ابوالاعلیٰ' تفهیم القرآن' ج۱' ص ۳۲۹' مکتبه تعمیر انسانیت لاهور ۱۹۸۵ء و اصغر حسین' سید' اسلامی قانون وراثت و وصیّت' ص ۵۲' اداره اسلامیات انارکلی ۱۹۸۰ء

۱۰) الترمذی' الجامع الصحیح' ج٤' ص ۵۳۰

۱۱) الدارقطنی' سنن دارقطنی' ج۲' ص ۱۵۲

۱۲) القزوینی' سنن ابن ماجه' ج۲' ص ۲۲

۱۳) المرجع السابق، ۲/۲۲
۱٤) المرجع السابق، ج۲، ص ۲۳
۱۵) الکاسانی، ابو بکر بن مسعود، علاء الدین، الامام، بدائع الصنائع، ج۷، ص۳۲۹، ۳۳۰۔ المکتبة الحبیبیه کانسی روڈ کوئٹه ۱۹۸۹ء
۱٦) المرغینانی، ابو الحسن علی بن ابی بکر، برهان الدین، الهدایه شرح بدایة المبتدی جزء ۸، ص ۲٤۲۔ ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة باکستان ۱٤۱۷۔
۱۷) الجزیری، کتاب الفقه، ج۳، ص ۲۵۱
۱۸) المرغینانی، الهدایه، ج٤، جزء ۸، ص ۲٤۲
۱۹) الجزیری، کتاب الفقه، ج۳، ص ۳۵۸
۲۰) القرطبی، بدایة المجتهد، ج۱، ص ۳۳۵ تا ۳۳٦
۲۱) النووی، عیسٰی بن شرف زکریا، ابو الشیخ محمد الشیرینی، مغنی المحتاج معرفة تعالی، الفاظ علی متن المنهاج، ج۳، ص ۳۹۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت، بدون تاریخ
۲۲) الکاسانی، بدائع الصنائع، ج۷، ص ۳۳۵ تا ۳۵۲
۲۳) المرجع السابق، ج۷، ص ۳۳۵ تا ۳۵۲۔ والشافعی، محمد بن ادریس، کتاب الام، ج٤، ص ۳۹ دار المعرفت بیروت، بدون تاریخ
۲٤) ابن عابدین (المحقق محمد امین) حاشیه رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار فی فقه للامام ابی حنیفه النعمانی، ج٦، ص ٦۹۲، المکتبة التجاریة مصطفی احمد الباز، مکة المکرمة، بدون تاریخ
۲۵) الکاسانی، بدائع الصنائع، ج۸، ص ۳۵۸ تا ۳۷۸
۲٦) مودودی، تفهیم القرآن، ج۱، ص ۳۲۹
۲۷) المرغینانی، الهدایه، ج۸، ص ۲۲۷، ۲۲۸
۲۸) الکاسانی، بدائع الصنائع، ج۷، ص ۳۹٤
۲۹) احمد یار، حافظ، یتیم پوتے کی وراثت کا مسئله، شعبه اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی، لاهور ۱۹۵٤ء

تاریخ کے بدترین دہشت گرد کون؟ (۲)

مسلمان یا عیسائی؟؟

ریاض الحسن نوری ☆

امریکہ میں قتل عام

انگریزی نسل کے امریکیوں کے وہاں کی مقامی آبادی کے بارے میں کیا خیالات تھے (یعنی ریڈ انڈینز کے متعلق) نوبل انعام یافتہ برٹرینڈ رسل لکھتا ہے:

The attitude of the Americians of English descent to the Red Indians was very different, as is shown in their saying: "The only good Indian is a dead Indian".

''انگریز نسل کے امریکیوں کا ریڈ انڈینز کے متعلق جو رویہ تھا وہ ان کے اس مقولے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اچھا ریڈ انڈین صرف وہی ہے جو مُردہ ہو''۔ (۱۶)

یوں امریکہ کے اصلی باشندے یعنی ریڈ انڈین رفتہ رفتہ سب قتل کر دیئے گئے۔ اب وہاں قدیم باشندہ شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔ ہمارے مضمون میں دیئے گئے واقعات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دہشت گردی، ظلم، ہیروئن بنانے اور اس سے روپیہ کمانے کی ذمہ دار مغربی حکومتیں ہیں۔ یہ ظلم کے استاد ہیں، دنیا میں ہر قسم کے جرائم پھیلانے کے بھی یہی ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے پٹھانوں کو ہیروئن بنانی سکھائی، پٹھانوں کے پاس یہ علم نہ تھا۔

قرونِ وسطیٰ میں یہودیوں کا قتل عام

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۱۲، مطبوعہ نیویارک کے صفحات ۳۵۷، ۳۵۸ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۱۷۹ء میں پوپ الیگزینڈر سوم نے عیسائیوں کو کم سود

☆ مشیر وفاقی شرعی عدالت و ریسرچ سکالر رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ۔

لینے سے بھی سختی سے منع کر دیا اور کہا کہ سود لینا نہ صرف بائبل بلکہ قانونِ قدرت کے بھی خلاف ہے' مگر چرچ وحکومت یہودیوں کو سوائے سود لینے کے دوسرے کاروبار کی اجازت نہ دیتے تھے۔ پھر جب یہ یہودی اس کاروبار سے دولت اکٹھی کر لیتے تو حکمران ان کی زندگی میں یا مرنے کے بعد اُن کی دولت پر قبضہ کر لیتے۔ برٹرینڈ رسل اس سلسلے میں لکھتا ہے کہ:

Throughout the middle ages, barons and eminent ecclesiastics borrowed from Jews, and when they could no longer pay the interest they instituted a pogrom.

''قرونِ وسطیٰ کے تمام دور میں بااثر بڑے لوگ یہودیوں سے قرض لیا کرتے تھے۔ پھر جب وہ سود ادا نہ کر سکتے تو باقاعدہ ایک نظم کے ساتھ ان یہودی سرمایہ داروں کو قتل کر دیا کرتے تھے''۔

آگے رسل لکھتا ہے کہ:

''جدید دور میں جب سرمایہ داری عیسائیوں کا چلن بن گئی تو سرمایہ داروں کا قتل برداشت نہ کیا جانے لگا''۔ (۱۷)

ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی بمباری

اب یہ بات امریکی ہفتہ وار رسالوں میں بھی شائع ہو چکی ہے کہ جرمنی کی شکست واضح ہونے کے بعد جاپان بھی ہتھیار ڈالنے والا تھا اور ایٹمی بمباری نہ بھی ہوتی تو وہ ہتھیار ڈال دیتا' مگر امریکی حکومت نے محض تجربہ کی خاطر جاپان پر دو ایٹمی حملے کئے۔ ان میں معصوم بچوں اور لوگوں کی جتنی بربادی ہوئی اس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی ع ''کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟''

مزید یاد رہے کہ امریکہ اور روس نے اس کے بعد بھی خود اپنے فوجیوں اور عوام پر ایٹمی تجربے کئے۔ یہ باتیں اخبارات میں آ چکی ہیں اور کتابوں میں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ مگر خدا نے چاہا اور زندگی رہی تو ہم یہ باتیں مغربی حکومتوں کے خود اپنے عوام پر مظالم کے سلسلے میں الگ بیان کریں گے۔ یہاں تفصیلات کا موقع نہیں۔ بقول رسل:

''یورپ میں سور کھانے سے انکار پر یہودیوں کو اذیت دے کر قتل کیا جاتا رہا''۔(۱۸)

جدید فلسفہ وتہذیب کا دوہرا معیار

دکھاوے کی بات الگ مگر درحقیقت جدید فلسفہ اور تہذیب میں عوام کا نہیں بلکہ بڑے لوگوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس بات کو برٹرینڈ رسل نے تاریخ فلسفہ کی کتاب میں کئی جگہ لکھا ہے۔ یہاں ہم ایک حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں جو اُس نے نطشے کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

He holds that the happiness of common people is no part of the good perse. All that is good or bad in itself exists only in the superior few, what happens to the rest is of no account.

''یعنی نطشے کے نزدیک عام آدمیوں کی بہتری یا خوشی کی کوئی اہمیت نہیں۔ درحقیقت جو چیز اچھی یا بری ہے وہ صرف چند بڑے لوگوں میں پائی جاتی ہے' باقی لوگوں کے ساتھ جو گزرتی ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔''(۱۹)

مغربی حکومتوں کی دیگر ملکوں میں خوفناک دہشت گردیاں

امریکن میکملن کمپنی نے ولیم جے چیمبلس (William J.Chambliss) کی کتاب چھاپی ہے جس کا نام ''شعبہ جرائم کی تحقیق'' "Exploring Criminology" (مطبوعہ ۱۹۸۸ء) ہے۔ اس میں حکومتوں کے جرائم اور دہشت گردی کا بھی ذکر ہے' بلکہ تیرھواں باب (سٹیٹ آرگنائزڈ کرائم) خاص اسی موضوع پر ہے۔ اس کے صفحہ ۳۲۸ پر لکھا ہے کہ:

Thus the history of nation states is also a history of organised crime.

''اس طرح سے قومی حکومتوں کی تاریخ منظم جرائم کی تاریخ بھی ہے''۔

بحری قزاقی میں شراکت

صفحہ ۳۲۹ پر لکھتا ہے کہ: انگلینڈ' فرانس اور دیگر یورپین حکومتوں نے لوٹ مار میں

حصّہ کی شرط پر بحری قزاقوں کو فرمان لکھ کر دینے شروع کئے' جن کی رو سے وہ ان حکومتوں کی بندرگاہوں میں لنگر انداز ہو سکتے تھے۔ مزید اپنی بحری حکومتوں کو احکام دے دیئے کہ وہ ان کی قزاقی میں مزاحمت نہ کریں۔ اس قزاقی میں قتل' زنا بالجبر' لوٹ مار' شہروں اور دیہات کو تباہ کرنا' بلکہ تمام وہ دہشت ناک جرائم شامل تھے جن کا ایک ناول نویس سوچ سکتا ہے۔ یوں وسیع پیمانے پر جرائم کی اجازت ہوگئی جو خود اُن کے اپنے قوانین کے خلاف تھی۔ انگریزی الفاظ یوں ہیں:

> *These letters were issued, naturally, on the condition that the pirates shared the loot with the issuing government. Pirating involved murder, rape, plunder, destruction of cities and towns, and indeed a collection of criminal acts as heinous and premeditated as can be imagined by the most creative fiction writer.....*
>
> *..... licensed criminality on a massive scale.*

پھر بعض قزاقوں کو نیوی میں کمیشن بھی ملتے رہے۔ انگریزوں نے ''ڈریگ'' کو سر کا خطاب دیا اور امریکہ نے ''جین'' کو نیوی میں ایڈمرل بنا دیا۔ صفحہ ۳۳۱ پر ہے کہ ۱۵۰۰ء سے ۱۸۰۰ء تک تقریباً ہر یورپی قوم نے قزاقی میں حصّہ لیا۔

منشیات کی سمگلنگ

جدید دور میں قزاقی کی جگہ اسلحہ اور غیر قانونی منشیات کی سمگلنگ نے لے لی ہے۔ اور سمگلنگ کے اپنے قوانین کی سخت خلاف ورزی کرنے والا ملک امریکہ ہے۔

ویت نام کی جنگ کے دوران سی آئی اے نے جنوب مشرقی ایشیا میں منشیات کا کاروبار یہ کہتے ہوئے شروع کیا کہ منشیات کے گندے کاروبار سے ہم بلند اخلاقی کام کرنا یعنی کمیونزم کو روکنا چاہتے ہیں۔ امریکہ سے پہلے فرانس اپنے اخراجات کا ۵۰ فیصد ویت نام میں افیون کے لائسنس سے پورے کرتا تھا۔ فرانس اور امریکہ کے جاسوسی ادارے افیون کی پیداوار اور اس کی تقسیم کا کاروبار کرتے تھے۔ امریکہ اور سی آئی اے کے ہوائی جہاز باقاعدگی سے لاؤس اور برما سے افیون کے بنڈل سیاگون

لے جاتے تھے۔اس کام میں بینکوں سے بھی مدد لی جاتی تھی۔

دہشت گردوں کی مدد

آج کی دنیا میں سرکاری جاسوسی کے اداروں کے ذمے دوسرے ملکوں میں اپنی خارجہ پالیسی کے مقاصد کو پورا کرنا بھی ہوتا ہے' اس کے لئے غیر ملکوں میں بھی حامی حاصل کرنے ہوتے ہیں۔ان کو مدد اور ٹریننگ دی جاتی ہے' ان کے ذریعے مخالفوں کو نقصان پہنچایا جاتا ہے اور خاص حالات میں قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔اس کے لئے بہت سارا روپیہ اور لمبی پلاننگ کی ضرورت ہوتی ہے۔(صفحہ ۳۳۳)

اگلے صفحہ پر لکھتا ہے کہ فوجی جاسوسی کا ایک کام یہ بھی ہے کہ دوسرے ملکوں میں خفیہ سرگرمیاں کیسے جاری رکھی جائیں' جیسے نکاراگوا' انگولا اور موزنبیق کے دہشت گردوں کو کیسے مدد پہنچائی جائے اور ان سیاست دانوں کی کیسے سرپرستی کی جائے جو سی آئی اے کے مقاصد سے ہمدردی رکھتے ہیں' چاہے امریکہ میں ہوں یا غیر ممالک میں۔اس بیان کے اصل انگریزی الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

> *For the militrary intelligence establishment the problem is how to finance ongoing clandestine operations such as the terrorists in Nicaragua, Angola and Mozambique, or the secret campaign contributions to politicians sympathetic to the aims of the CIA abroad and the United States.*(۳۰)

(ملخصاً) پھر لکھتا ہے کہ ایک طرف سی آئی اے کی کارکردگی اس سے دیکھی جاتی ہے کہ وہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ حکومتوں کو پھیلنے سے کتنا روکتی ہے۔دوسری طرف کانگریس' کینیڈی اور جمی کارٹر جیسے صدر فنڈ مہیا کرنے میں جھجک محسوس کرتے ہیں۔ایسی صورت میں سی آئی اے ان سرمایہ داروں سے فنڈ وصول کرتی ہے جو اُس کے مقاصد کے حامی ہوتے ہیں۔ویت نام کی جنگ میں غیر قانونی منشیات سے آمدنی کا نیا ذریعہ کھل گیا تھا۔پس جنگ ختم ہونے کے بعد بھی منشیات کی سمگلنگ جاری رکھنا فنڈ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔سیاگون میں لوٹیلیا کی فوج کو افیون پہنچانے کے لئے سی آئی اے کو پہاڑ کے ظالم زمینداروں کی مدد لینی پڑتی تھی۔یہ زمیندار کسانوں کے خلاف کرائے کی

فوجوں سے مدد لیتے تھے۔ اگر چہ یہ بہت زیادہ قیمت تھی مگر مغربی جمہوری نظام کے بقا اور ترقی کے لئے یہ قیمت ادا کرنی پڑتی تھی..... پھر لکھتا ہے:

To accomplish this, they joined in partnerships with professional smugglers and corrupt banking officials.

''اس کام کے لئے سی آئی اے کو پیشہ ور سمگلروں اور بے ایمان (کرپٹ) بینک افسروں کو اپنا حصہ دار بنانا پڑا''۔

اس کے ساتھ ساتھ سی آئی اے وہ طریقہ تلاش کر رہی تھی جس کے ذریعے وہ ان ممالک کو اسلحہ بھیج سکے جن کو اسلحہ بھیجنا امریکن قانون کے خلاف تھا' جیسے جنوبی افریقہ' شام' ایران و لیبیا۔ ان وجوہات کی بنا پر آسٹریلیا میں ہیوگن ہینڈ بینک قائم کیا گیا جو مالیات کو سنبھالے تا کہ روپیہ' اسلحہ اور منشیات کی سپلائی کا کام جاری رہ سکے۔ اس کے بعد مصنف نے اس بینک کے خواص لوگوں کے نام اور سابقہ کارنامے تفصیلاً بیان کئے ہیں۔ یہ تقریباً سب سابق فوجی یا جاسوسی اداروں سے متعلق رہے تھے.....

فیڈل کاسترو کے قتل کی سازش اور ہیروئن کی تجارت

صفحہ ۳۳۶ پر مصنف لکھتا ہے:

His associate, Theodore S. Shackley, was head of the Miami, Florida, CIA station when the plot to assassinate Fidel Castro by using organized crime figures Santo Trafikcante, Jr., John Roselli, and Sam Giancana was planned and attempted. Shackley was later transferred to Laos, where he organized the Meo Tribesmen and assisted their heroin trafficking.

''اس کا ساتھی تھیوڈور ایس شیکلے میامی فلوریڈا میں سی آئی اے کا ہیڈ تھا جب فیڈل کاسترو کو مجرموں کے نظام کے خاص افراد جان روسالی اور سیم گیانکانا کے ذریعے قتل کرنے کی سازش اور پھر کوشش کی گئی۔ بعد میں شیکلے کو لاؤس تبدیل کر دیا گیا جہاں اس نے میو قبیلہ کے لوگوں کو منظم کیا اور ہیروئن کی تجارت میں ان کی مدد کی''۔

پھر مصنف لکھتا ہے:

.....Auditors called into investigate the bank opeend a veritable Pandora's box of crime and intrigue. Millions of dollars were missing. Many of the principal depositors of the bank were known to be connected with the international narcotics traffic in Asia and the Middle East.

''بینک کی تحقیقات کے لئے جو آڈیٹر آئے انہوں نے جرائم اور سازشوں کا پینڈورا بکس کھول دیا۔ پتہ چلا کہ کروڑوں ڈالر غائب ہیں اور بینک میں رقوم جمع کرانے والے خواص کا تعلق ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں بین الاقوامی منشیات کی تجارت سے ہے۔''

ناپسندیدہ سیاست دانوں کو غلط پروپیگنڈے کے ذریعے ختم کرنا

مصنف پھر لکھتا ہے کہ سی آئی اے ہیوگن ہینڈ کو اسلحہ کی سمگلنگ اور اس قسم کے دیگر کارناموں میں استعمال کر رہی تھی۔ اور چیزوں کے علاوہ اس بات کا بھی انکشاف ہوا کہ سی آئی اے نے کروڑوں ڈالر آسٹریلیا کے وزیراعظم وہیتھم پر بداخلاقی اور ہر قسم کے غیر قانونی کام کرنے کے جھوٹے الزامات قائم کرنے اور پروپیگنڈہ کرنے پر خرچ کئے۔ اگرچہ بعد میں وزیراعظم کو ان الزامات سے بری کر دیا گیا مگر اسے زبردستی استعفاء دینے پر مجبور کر دیا گیا۔ پھر سی آئی اے نے بینک کے ذریعے اپنے پسندیدہ سیاست دانوں کے حق میں پروپیگنڈے پر کروڑوں ڈالر خرچ کئے۔

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا عنوان سے ثابت ہو جاتا ہے کہ امریکن سی آئی اے جب آسٹریلیا جیسے اپنے دوست ملک میں سیاسی اکھاڑ پچھاڑ پر کروڑوں ڈالر خرچ کر سکتا ہے تو ایشیائی ممالک میں سیاست میں دخل اندازی پر ایسا کیوں نہیں کرتا ہوگا۔ آسٹریلیا کے مذکورہ بالا واقعہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پاکستانی اخبارات میں جو امریکہ کے متعلق خبریں چھپتی رہی ہیں کہ وزراءِ اعظم امریکہ کی مرضی سے آتے اور جاتے ہیں اور جب تک امریکہ چاہے قائم رہتے ہیں' ان باتوں کا ثبوت اور مثال آسٹریلیا کے مذکورہ بالا واقعات سے ملتی ہے۔

اسلحہ کی سمگلنگ

پھر مصنف ''اسلحہ کی سمگلنگ'' کے عنوان کے تحت لکھتا ہے کہ مغربی سرمایہ دار ممالک کا سب سے زیادہ عام جرم فوجی اسلحہ کی سمگلنگ ہے۔ اس کو حکومتی سطح کا جرم تب ہی کہا جاتا ہے جب کہ ملک کی حکومت جن ممالک کو اسلحہ فراہم کرنے کی اجازت نہیں دیتی ان ممالک کو اسلحہ سمگل کیا جائے' لیکن حکومت کی بعض شاخیں ایسا کرتی ہیں.....

سی آئی اے نے حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایران کو اسلحہ فروخت کیا اور نفع سوئٹزرلینڈ کے بینک میں جمع کرایا جس کو سی آئی اے کنٹرول کرتی ہے۔ پھر اس روپیہ کے ذریعہ اسلحہ خریدا گیا اور غیر قانونی طور پر کنٹراس (Contras) کے ان گوریلوں کو بھیج دیا گیا جو نکاراگوا کی حکومت کے خلاف لڑ رہے تھے۔ اس زمانے میں امریکن کانگریس نے قانون پاس کر دیا تھا کہ کسی گورنمنٹ ایجنسی کو اجازت نہیں کہ کنٹراس کو اسلحہ یا روپیہ سپلائی کرے۔ ایران کو اسلحہ بیچنا اور نفع کو کنٹراس بھیجنا ایسے جرائم تھے جن میں سی آئی اے کے بڑے لوگ' ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ' نیشنل سکیورٹی کونسل اور صدر کے دفتر کے لوگ ملوث تھے' بلکہ اس بات کا بھی شبہ ہے کہ اس نفع کا کچھ حصہ امریکہ کے ان سیاست دانوں کو مدد دینے کے لئے استعمال کیا گیا جو نکاراگوا میں مداخلت کے حامی تھے۔

سی آئی اے نے اس بات کو باقاعدہ تسلیم کیا کہ اس نے انگولا اور موزنبیق کی مدد کی جن کا ملٹری اسلحہ جنوبی افریقہ کی فوج اور باغی مل کر استعمال کرتے تھے۔

حکومتی نظام کے تحت قتل

مصنف لکھتا ہے:

The assassination of political leaders whose programs run counter to the interests of a nation has become almost common-place in international politics. It is one of the most sinister of modern-day state-organized crime.

''ان سیاسی لیڈروں کا قتل جن کا پروگرام قوم کے مفاد کے خلاف ہوتا ہے' جدید

بین الاقوامی سیاست میں بالکل عام سی بات ہوگئی ہے۔ یہ جدید دور میں حکومتی نظام کے تحت جرائم کی بڑی خوفناک مثال بن چکی ہے''۔

یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ فرانسیسی جاسوسی محکمہ نے ایک کرایہ کے قاتل کرسچین ڈیوڈ کو حاصل کیا (جس کا تعلق رابرٹ ولیسکو اور امریکہ کی منشیات سے متعلق ایجنسی سے بھی ہے) تاکہ مراکش کے بائیں بازو کے لیڈر بن برکا کو قتل کروایا جائے۔

۸۰ بے گناہوں کا قتل

مصنف مزید لکھتا ہے:

In early 1956, the CIA hired a team of assassins to kill Sheik Fadlallah in Lebanon. Sheik Fadlallah is the leader of a Shiite religious group fighting for control of the Lebanese government. The CIA suspected him of planning the attack on U.S. Marine barracks. The assassination team planted a car bomb that subsequently exploded, killing 80 people. Sheik Fadlallah was not one of them.(۲۱)

''۱۹۵۶ء کے شروع میں سی آئی اے نے قاتلوں کے ایک گروہ کو لبنان کے شیخ فضل اللہ کو مارنے کے لئے کرایہ پر حاصل کیا۔ شیخ فضل اللہ شیعہ مذہبی گروپ کے لیڈر تھے اور لبنان کی حکومت کا کنٹرول حاصل کرنے کے لئے لڑ رہے تھے۔ سی آئی اے کو شبہ تھا کہ یہ امریکہ کے نیوی بارکوں پر حملہ کا سوچ رہے تھے۔ قاتلوں کی ٹیم نے کار بم نصب کر دیا۔ جب بم پھٹا تو ۸۰ آدمی مارے گئے' شیخ ان میں سے نہ تھے''۔

واضح رہے کہ امریکہ کا قانون اپنی سی آئی اے یا کسی دوسری ایجنسی کو سوائے جنگ کے دوسرے ملکوں کے سیاست دانوں کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔

پھر مصنف لکھتا ہے:

There is a good deal of evidence that the U.S. government planned the assassinations of President Diem in Vietnam, Patrice Lumumba in the Congo, and Rafael Trujillo in the Dominican

''اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ امریکن گورنمنٹ نے ویت نام کے صدر ڈائم کو ویت نام میں قتل کرنے کی سازش کی۔ مزید برآں کانگو میں لومبا اور ڈومینکن میں رافیل ٹرو جیلو کو قتل کرنے کی سازش بھی کی''۔

دہشت گردی کی تعلیم اور لیڈروں کے قتل کی ہمت افزائی

مصنف بہت سی مثالیں دینے کے بعد لکھتا ہے: مثال کے طور پر سی آئی اے نے ایک ہینڈ بک تیار کی اور اسے نکاراگوا میں تقسیم کیا جس میں بلا امتیاز سیاسی لیڈروں کے قتل کی ہمت افزائی کی گئی تھی اور ان شہریوں کے قتل کی بھی ہمت افزائی تھی جو سینڈنیسٹاس سے ہمدردی رکھتے ہوں۔ اس پمفلٹ میں غیر قانونی دہشت گردی کے بلیو پرنٹ اور طریقے بھی سکھائے گئے تھے۔ امریکن سی آئی اے نے چائلین (Chilean) کی خفیہ جاسوسی کے محکموں کے لوگوں کو ٹریننگ دی اور مشورے دیئے۔ یہ کام ۱۹۷۰ء میں وہاں کے پریذیڈنٹ کے الیکشن سے پہلے اور بعد میں کیا گیا۔ DINA نے صدر کو ہٹانے بلکہ جنرل رینی اور صدر کو قتل کرنے کی سازش بھی کی۔ پھر بعد میں جب جنرل پینوشیٹ (Pinochet) چائل کا صدر بن گیا تو اس نے DINA کو آپریشن ''کانڈر'' قائم کرنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ ایف بی آئی کے ایجنٹ رابرٹ شیریر نے ایک اہم درجہ کا خفیہ پیغام واشنگٹن بھیجا جس کے الفاظ انگریزی میں یوں تھے:

A third and more secret phase of Operation Condor involves the formation of special teams from member countries to travel anywhere in the world to non-member countries to carry out sanctions including assassinations.

''آپریشن کانڈر کا تیسرا اور زیادہ خفیہ مرحلہ یہ تھا کہ ممبر ممالک سے خاص ٹیمیں بنائی جائیں جو دنیا میں غیر ممبر ممالک میں ہر جگہ جا سکیں اور وہاں جا کر متعینہ احکامات بجا لائیں جن میں قتل بھی شامل ہو''۔

پھر مختصراً وہ لکھتے ہیں کہ اس پالیسی کے تحت چائل کی خفیہ ایجنسی DINA کے تین

ایجنٹ امریکہ آئے۔ انہوں نے اس کار میں بم نصب کیا جس میں پینوشیٹ (Pinochet) گورنمنٹ کا جلا وطن شخص لیٹیلیئر (Letellier) سفر کر رہا تھا۔ اس سے پچھلی کار سے ریموٹ کنٹرول سے بم اڑا دیا گیا۔ یہ کنٹرول سگریٹ لائٹر کے ساتھ نصب تھا۔ بم والی کار میں ایک مسافر موفٹ اور اس کی بیوی بھی بیٹھے تھے۔ موفٹ کی بیوی اور لیٹیلیئر مارے گئے' مگر مائیکل موفٹ اس قصہ کو سنانے کے لئے زندہ بچ گیا۔ تفتیش کے بعد DINA (ڈی آئی این اے) کے تینوں ایجنٹ گرفتار ہو گئے اور ان پر قتل کا مقدمہ چلا' مگر سی آئی اے اور ایف بی آئی نے مقدمہ میں رکاوٹ ڈالی اور معلومات اور کاغذات فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ انگریزی میں مصنفین کا فقرہ ملاحظہ ہو:

This was not the only time the CIA and the FBI covered up murders by people associated with them. A Cuban exile, Ricardo (Monkey) Morales, immigrated to Miami in 1969. He was employed by the CIA and the FBI ....

''یہ کوئی ایک دفعہ نہیں ہوا کہ سی آئی اے اور ایف بی آئی نے اپنے متعلقہ لوگوں کے قتل جیسے جرائم پر پردہ ڈالا ہو۔ کیوبا کا جلاوطن Morales ۱۹۶۹ء میں ترک وطن کر کے میامی چلا گیا۔ وہ سی آئی اے اور ایف بی آئی کا ملازم تھا مگر احکام کے تحت اس نے وینزویلا جا کر وہاں کی خفیہ ایجنسی میں ملازمت اختیار کر لی۔ اور کاراکاس کے بین الاقوامی ایئرپورٹ کا سیکورٹی افسر بن گیا''۔

ہوائی جہاز میں بم نصب کر کے ۷۳ مسافروں کا قتل

کورٹ کے مہیا کردہ ثبوت اور شائع کردہ انٹرویوز میں اس نے تسلیم کیا کہ اس نے ایئر کیوبانا کی ایک فلائٹ میں بم نصب کیا جس میں ۷۳ مسافر مارے گئے۔ خود اس نے اور میامی پولیس نے تسلیم کیا کہ یہ سی آئی اے کا کام تھا اور سی آئی اے کے احکامات کے تحت اس نے یہ کام کیا تھا' مگر اسے کوئی افسوس نہ تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر ایسا کام دوبارہ کرنا پڑا تو وہ دوبارہ کرے گا۔

اسے میامی میں ۱۰ ٹن ماروجینا منشیات جہاز پر رکھنے کے موقع پر گرفتار کیا گیا۔

لیکن کیونکہ وہ ایف بی آئی اور سی آئی اے کا خفیہ ایجنٹ تھا لہٰذا اسے پکڑا نہیں گیا۔ وہ کھلم کھلا بم چلانے، قتل کرنے اور لوگوں کو مارنے کی کوششوں کا ذکر کرتا تھا، مگر اس نے کبھی ایک دن بھی جیل میں نہیں گزارا۔ اس نے ۱۹۶۸ء میں جبکہ وہ سی آئی اے کا ایجنٹ تھا، تسلیم کیا کہ اس نے کاسترو کے ایک مخالف کو قتل کیا اور ایک دوسرے مخالف کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ ایف بی آئی کی ملازمت کے دوران اس نے کیوبا کے ایک اور جلاوطن کو دن دہاڑے قتل کیا۔ یہ قتل کاسترو کے ہمدردوں کو وارننگ کے طور پر کیا گیا۔ اب اصل انگریزی الفاظ ملاحظہ فرمائیں!

حکومت کی طرف سے منظّم طور پر قتل کرانے کے واقعات

In court testimony and published interviews, Morales admitted that he planted a bomb on an Air Cubana flight from Caracas that killed 73 passengers. He and the Miami police both testified in court that this was a CIA job and he was acting under their instructions. He was unrepentant: "If I had to, I would do it over again."

Morales was arrested in Miami overseeing the shipment of 10 tons of marijuana. Because of his status as an undercover agent for the FBI and the CIA, he was never convicted. He openly admits to bombings, murder, and assassination attempts, yet he has never served a day in prison. In 1968, while he was a contract agent for the CIA, he admitted to murdering an anti-Castro activist and trying to execute another. While employed by the FBI, he murdered another Cuban exile, Eladio Ruiz, in broad daylight in downtown Miami. The execution was "Reportedly carried out as a warning to Castro sympathizers."

پھر مصنف لکھتا ہے کہ اس شخص کے قتل، دہشت گردی اور منشیات کے کاروبار میں سی آئی اے کی حفاظت اس وقت ہی ختم ہوئی جبکہ اسے میامی کے شراب خانہ میں ۱۹۸۲ء میں گولی ماردی گئی۔

امریکی صدر ریگن کی منظور کردہ قتل اور حملوں کی سازش

مصنف لکھتا ہے:

The most recent example of the U.S. government's involvement in murder and assassination plots in the plan approved by President Reagan for the CIA to "destablize" the Libyan govemment of Colonel Muammar Qaddafi. The Washington Post reported that the plan included an effort to "lure [Qaddafi] into some foreign adventure or terrorist exploit that would give a growing number of Qaddafi. A CIA report in 1985 argued that the United States should "stimulate" Qaddafi's fall by encouraging disaffectd elements in the Libyan army who could be spurred to assassination attempts."

''قتل اور جان سے مارنے کی سازشوں کی جدید ترین مثال سی آئی اے کی ان سازشوں میں ملتی ہے جن کی صدر ریگن نے لیبیا کی حکومت اور قذافی کے خلاف منظوری دی۔ واشنگٹن پوسٹ کے مطابق اس بات کا خاکہ تیار کیا گیا کہ قذافی کو غیر ملکی کارگزاری میں دہشت گردی کے پلاٹ میں پھنسا دیا جائے۔ ۱۹۸۵ء میں سی آئی اے نے دلیل دی کہ قذافی کی حکومت کو اس طرح ختم کیا جائے کہ لیبیا کے غیر مطمئن فوجیوں کو قذافی کے قتل پر اکسایا جائے''۔

فرانسیسی حکومت کے انتظام سے بحری جہاز کی تباہی

ماحولیاتی امن اور بہتری کی ایک انجمن تھی جس کا نام Green Peace یعنی امن کی سبز انجمن تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ جو افعال ماحولیات میں تباہ کن اثرات پیدا کریں ان کو روکا جائے۔ اس کا کام یہ بھی تھا کہ ماحول میں ایٹم بموں کے تجربوں کو روکا جائے جن سے ماحول میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اس انجمن کے جہاز کو تباہ کرنے کی ذمہ داری فرانس کی خفیہ پولیس کو سونپی گئی۔ کیونکہ فرانس ۱۹۸۵ء کے آخر میں جنوبی بحرالکاہل میں ایٹمی بموں کے تجربے کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس انجمن کا جہاز تجربوں کی جگہ گیا تاکہ ایسے نقصان دہ تجربات کو روکا جائے۔ فرانسیسی حکومت نے اپنی خفیہ سروس

کے لوگوں کو آسٹریلیا بھیجا کہ اس انجمن کے جہاز کو نقصان پہنچایا جائے تا کہ وہ تجربات میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ ان ایجنٹوں نے اس جہاز کے قریب بم نصب کئے جن سے جہاز بے کار ہو گیا اور جہاز کا ایک ملاح مارا گیا۔ (۲۲)

سازشیں اور بدترین جرائم

مصنف سازشوں کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

Agents and officials of the CIA, the FBI, and the Drug Enforcement Agency are known conspirators in criminal acts ranging from murder to gun smuggling, breaking and entering, illegal wiretapping, illegal bugging, illegal use of violence to coerce compliance, blackmail, fraud, and myriad other criminal offenses committed in the course of routine investigations or crisis situations in which extreme measures are deemed necessary and justifiable.

''سی آئی اے و ایف بی آئی اور منشیات سے متعلقہ ادارہ کے ایجنٹ اور افسر جرائم کے سلسلے میں ثابت شدہ سازشی لوگ ہیں۔ ان کے جرائم میں قتل' ہتھیاروں کی سمگلنگ' بلڈنگوں میں زبردستی گھسنا' چاہے توڑ پھوڑ کے بعد داخلہ ممکن ہو' غیر قانونی طور پر لوگوں کے ٹیلیفون کے تاروں کو استعمال کر کے گفتگو سننا' غیر قانونی طور پر آلات کے ذریعے لوگوں کی گفتگو سننا' غیر قانونی طور پر تشدد کے ذریعے احکامات منوانا' بلیک میل' فراڈ اور ہزارہا قسم کی مجرمانہ کارروائیاں جو عام تفتیش یا خاص حالات میں ضروری سمجھی جاتی ہیں''۔

دوسرے غیر قانونی افعال

اس عنوان کے تحت مصنف نے لکھا ہے کہ سی آئی اے سینکڑوں امریکن شہریوں کے نظریات اور افعال پر نظر رکھتی ہے اور سیاسی جماعتوں میں دخل اندازی کرتی ہے۔ عوام کے لفافے غیر قانونی طور پر عدالت کی اجازت کے بغیر کھولے اور پڑھے جاتے ہیں۔ فاحشہ عورتوں کو اعلیٰ درجے کی کوٹھیاں فراہم کی جاتی ہیں اور طرح طرح کے نفسیاتی تجربات کئے جاتے ہیں' مگر یہ باتیں اس وقت ہمارے موضوع سے باہر ہیں۔

خدا نے چاہا تو ہم اس پر الگ تحریر پیش کریں گے کہ مغربی حکومتیں خود اپنے عوام سے کیا کیا زیادتی کرتی ہیں۔

پھر مصنف لکھتا ہے کہ سی آئی اے کو کمیونزم کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے عربوں کو اسلحہ دینا پڑتا ہے۔ آج لبنان کو اسلحہ بھیجنا پڑتا ہے تو کل شام کو۔ قوانین ہر آن تو بدلے نہیں جا سکتے' پس سٹیٹ کرائم کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

امریکن کانگریس کے بعض ارکان اور صحافی اس قسم کی باتوں کی تلاش میں رہتے ہیں کہ ایجنسیوں کے جرائم کو طشت از بام کیا جائے..... پھر لکھتا ہے کہ:

To avoid these dangers but still carry out their mission, a solution is found in complicity with criminal groups that are specialists in the kinds of operations deemed necessary- murder, assassination, blackmail, kidnapping, smuggling, and money laundering State-organized crime and organized crime then become interwined. This circumstance has arisen time and again in the history of the United States (۲۳)

''ان خطرات سے بچنے اور اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا کہ ان مجرموں کے گروپوں کو شامل کر لیا جائے جو اس قسم کے کاموں میں ماہر ہوتے ہیں' جیسے قتل' جان سے مارنا' بلیک میل' اغوا' سمگلنگ' منی لانڈرنگ یعنی ناجائز دولت کو بینکوں کے ذریعے جائز دولت میں تبدیل کر لینا۔ اس طرح سے حکومت کے نظام کے تحت جرائم کرنے کے طریقے اور عام مجرموں کی تنظیم آپس میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ ایسے مواقع امریکن تاریخ میں اکثر آتے رہتے ہیں''۔

پھر صفحہ ۳۴۷ پر مصنف مثال کے طور پر لکھتا ہے کہ جنگ عظیم دوم کے دوران نیوی کی خفیہ سروس نے منظم مجرموں کے گروپ کے دو اشخاص کو ساتھ ملایا تا کہ کمیونسٹ لیبر لیڈر ہیری برجس کے اثر کے خلاف کام کیا جا سکے۔ بدلے کے طور پر ان میں سے ایک شخص لکی لوسینو کو جیل سے رہا کر دیا گیا اور دوسرے شخص میر لانسکی کو امریکہ میں غیر قانونی کاروبار کے بڑے حصہ کا کنٹرول دے دیا گیا۔ پھر مصنف لکھتا ہے:

In Vietnam, as shown, the CIA aided the

opium traffic, and today they are implicated with organized crime in assassination attempts as well as in smuggling, money laundering, and, perhaps, international narcotics.(۴۴)

''جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ ویت نام کی جنگ میں سی آئی اے نے افیون کے لانے اور لے جانے میں مدد کی تھی جبکہ آج سی آئی اے قاتلانہ حملوں کی کوشش' سمگلنگ' منی لانڈرنگ اور شاید منشیات کے بین الاقوامی کاروبار میں بھی ملوث ہے''۔

اس کے بعد مصنف ماہر نفسیات کے نظریات کا ذکر کرتا ہے کہ آخر لوگ جرائم کیوں کرتے ہیں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ ان نظریات کے تحت حکومت کے نظام کے مطابق جرم کرنے والے مشکلات پیدا کرتے ہیں..... آخر میں مصنف لکھتا ہے:

State organized crime is an even more-telling criticism of these theories in that it is an example of criminality that involves the use of violence and the illegal granting of licenses to steal, murder, plunder, and rape on a scale rarely paralleled in the annals of conventional criminal exploits.

''حکومت کے منظم جرائم کی وجہ سے نفسیاتی نظریات پر زیادہ سختی سے تنقید ہوتی ہے۔ یہ جرائم کی ایسی مثال ہے جس میں تشدد' چوری' قتل' لوٹ مار اور زنا بالجبر کے غیر قانونی طور پر لائسنس جاری کر دیئے جاتے ہیں' چنانچہ یہ جرائم اتنے بڑے پیمانے پر ہوتے ہیں جس کی مثال عام مجرموں کے گروہوں میں مشکل سے ملتی ہے''۔ (گویا حکومت عام مجرموں سے بڑی مجرم ہے)

ولیم جے چمبلس نے بھی اپنی کتاب ایکسپلورنگ کریمنالوجی کے شروع میں صفحہ ۷۸ سے ۸۱ تک حکومت کے منظم جرائم پر گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ حیرانی کی بات نہیں کہ حکومت کے منظم جرائم کے اعداد و شمار ملنے مشکل ہوتے ہیں کیونکہ حکومت اپنے جرائم کے اعداد و شمار اکٹھا نہیں کرنا چاہتی۔ اس کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ دنیا کی بہت سی حکومتیں اپنے اقتدار کو گولی' غیر قانونی جیل اور پولیس کے مظالم سے قائم رکھتی ہیں۔ ان میں سے اکثر چیزوں کو خود اُن کے قانون میں جرائم شمار کیا جاتا ہے۔ ان باتوں

کے باوجود کوئی حکومت ان جرائم کے اعداد و شمار شائع نہیں کرتی جو کہ وہ خود کرتی ہے۔

ان جرائم کی ایک مثال منظم قتل ہیں۔ امریکہ کے قانون میں قتل کی سازش جرم ہے۔ ۱۹۷۶ء میں سینٹ کی میٹنگ میں امریکن افسروں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ انہوں نے بہت سے غیر ملکوں کے سربراہوں کو قتل کرنے کی سازش کی جن میں یوگنڈا کے لومبا' گھانا کے کوامی نکما (Kwame Nkuma) کیوبا کے فیڈل کاسترو اور چائل کے سلواڈور الینڈی (Salvadore Allende) شامل تھے۔ اس بات کا بھی ثبوت پیش کیا گیا کہ سی آئی اے نے منظم مجرموں کے گروہوں میں سے مجرموں کو چن کر کاسترو کے قتل کرنے کی کوشش کی۔ مصنف نے ان کے نام بھی دیئے ہیں۔ ان صدور میں سے کچھ مارے بھی گئے۔

ملٹی نیشنل کارپوریشن آئی ٹی ٹی نے امریکن حکومت سے مل کر چائل کی حکومت کے سربراہ جو جمہوریت کے ذریعے چنا گیا تھا یعنی ایلینڈی کی حکومت ختم کرنے کی سازش کی۔ اس انقلاب (Coup) میں بہت سے لوگ قتل ہوئے جن میں صدر ایلینڈی اور چائل کی فوج کا جنرل رینی بھی تھا۔

مذکورہ بالا بیان کے خاص انگریزی فقرے ملاحظہ ہوں:

One example of governmental crime is planned assassinations. IN U.S. law, it is a crime to conspire to commit murder. At Senate Hearings held in 1976, it was admitted by U.S. government officials that they conspired to murder several heads of foreign governments, including Patrice Lumumba of Uganda, Kwame Nkuma of Ghana, Fidel Castro of Cuba, and Salvadore Allende of Chile. Evidence was also presented that the CIA enlisted the services of organized-crime figures John Roselli, Sam Giancanna, and Santo Trafficante, Jr., in the attempt to assassinate Fidel Castro. Some of the multinational corporation I.T.T. conspired with the U.S. government to overthrow the democratically elected government of

Salvadore allende in Chile. The coup that ensued ended in the murder of many people, including President Allende and the General of the Chilean army, Renee Schneider.(۲۵)

مزید صفحہ ۹۷ پر لکھتا ہے کہ ۱۹۵۴ء میں امریکن گورنمنٹ کے افسروں نے یونائیٹڈ فروٹ کمپنی کے افسروں سے سازش کر کے گوئٹے مالا کی قانونی حکومت کو ختم کیا۔ یہ سب کچھ بین الاقوامی اور امریکن قانون کے بھی خلاف تھا۔ جیکو بوآربینز (Arbenz) گوئٹے مالا کا صدر اس وعدہ پر چنا گیا تھا کہ ملک میں زمینی اصلاحات (reforms) کی جائیں گی جس میں غریب کسانوں کو زمین دی جائے گی اور غریبوں کو نوکریاں دی جائیں گی۔ اس ریفارم کا سب سے بڑا نشانہ یونائیٹڈ فروٹ کمپنی بنتی تھی جو کہ امریکہ میں قائم بین الاقوامی فرم تھی۔ اس لئے اس کمپنی نے جھوٹا پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ملک میں لوہے کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ امریکن سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اے اے برنے نے دعویٰ کیا کہ گوئٹے مالا روسی ڈکٹیٹرشپ کے کنٹرول میں آ گیا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ آربینز نے کمیونسٹ نظریہ کو رد کر دیا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت نواز اقتصادی نظام قائم کرے لیکن ایسا نظام جو شہروں اور کھیتوں کے غریبوں کو ایک مناسب طور پر زندگی گزارنے کا موقع مہیا کرے۔ مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ ان بین الاقوامی فرموں کی آمدنیوں کو کم کیا جائے جو حکومتی پیچیدگیوں کی وجہ سے زمین اور عوام کا استحصال کر کے بہت دولت مند ہو گئی تھیں۔ آربینز ریفارم کا نظریہ پیش کرتا تھا اور کمیونزم کا نظریہ پیش نہیں کرتا تھا جس کو وہ رد کر چکا تھا۔ اس کے باوجود آئزن ہاور کی حکومت نے ایک خاکے کی منظوری دی جس کا نام آپریشن سکسیس (Success) تھا۔ جس کا بندوبست سی آئی اے نے کیا اور مالی مدد بھی اس نے دی۔ آخر ۱۹۵۴ء میں آرماس نے دولت، ہتھیاروں، امریکن حکومت کی مدد سے آربینز کی حکومت کو الٹ دیا۔ مصنف نے تفصیل سے لکھا ہے کہ جان فوسٹر ڈلس اور بہت سے لوگوں کا اس میں ہاتھ تھا.....

۱۹۵۴ء کے انقلاب میں ۹۰۰۰ افراد گرفتار کئے گئے۔ ان میں سے بہت سوں کو

سخت ظالمانہ اذیتیں دی گئیں۔ ۱.۵ ملین زمین بڑے زمینداروں کو واپس کر دی گئی جن میں یونائیٹڈ فروٹ کمپنی بھی شامل تھی۔ خاص انگریزی فقرے ملاحظہ ہوں:

....formist ideology, not communism. Nevertheless, the Eisenhower administration approved a plan called Operation Success, which was organized, inspired, and financed by the CIA. In 1954, Castillo Armaswith money, arms, and assistance from the United Statesoverthrew Arbenz. Thomas McCann of United Fruit wrote that "United Fruit was involved at every level." in the CIA's successful Guatemalan coup, John Foster Dulles, Then Secretary of State......

During and after the 1954 coup, over 9,000 people were arrested. Many of them were brutally tortured. Over 1.5 million acres of land were returned to the large land owners, including, of course, United Fruit.

نکاراگوا میں سازشیں

۱۹۸۴ء میں سی آئی اے نے نکاراگوا میں جو سازشیں کیں ان میں عوام کو افسروں کے قتل پر اکسانا اور عوام کو بلیک میل کے ذریعے حکومت مخالف گوریلوں کی مدد پر مجبور کرنا جیسی سازشیں شامل تھیں۔ مصنف لکھتا ہے:

In 1984, the Central Intelligence Agency produced and distributed to people in Nicaragua a manual that advocated the murder of government officials; the murder of people opposed to the government to make it look like the government murdered them, thereby creating martyrs; the blackmailing of ordinary citizens to force them to work for guerillas opposing the government; the destruction of public property; the disruption of traffic by throwing nails on the road; and other criminal acts. The CIA was committing a crime by advocating acts that are against the law in its own

country as well as against the laws of Nicaragua and the international court of Justice. The acts advocated by the CIA caused untold harm and suffering to the people of Nicaragua. Throwing nails on the street, for example, destroys truck and automobile tires, which are in short supply in an impoverished country. Farm produce rots while waiting to get to markets where people are desperate for food. Produc ts for export are delayed, reducing the country's economy and, in the end, lowering the standard of living which is already one of the poorest in the World.

''۱۹۸۴ء میں سی آئی اے نے ایک مینویل تیار کیا اور اسے نکاراگوا کے عوام میں تقسیم کیا گیا۔ اس میں لوگوں کو اکسایا گیا تھا اور اس بات کی وکالت کی گئی تھی کہ ان سرکاری افسروں کو قتل کر دیا جائے جو حکومت کے مخالف ہیں تا کہ لوگ سمجھیں کہ حکومت نے انہیں قتل کیا ہے' اس طرح وہ شہید کہلائیں' پھر عام شہریوں کو بلیک میل کر کے مجبور کیا جائے کہ وہ ان گوریلوں کے ساتھ کام کریں جو حکومت کے مخالف ہیں۔ نیز انہیں عوامی ملکیت کی چیزوں کو برباد کرنے' سڑکوں پر کیلوں کو بچھا کر ٹریفک میں رکاوٹ ڈالنے اور مزید جرائم پر اکسایا گیا۔ ان جرائم سے عوام کو نا قابل تلافی نقصانات پہنچتے تھے۔ جس غریب ملک میں ٹرک اور گاڑیاں پہلے ہی کم ہوں وہاں ٹائروں کی بربادی سے مارکیٹوں تک کھانے کے سامان کی سپلائی رک جاتی ہے اور غریب ملک میں سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے''۔

ویت نام کی جنگ اور امریکہ و فرانس کا منشیات کا کاروبار

صفحہ ۸۱ پر مصنف مزید لکھتا ہے:

Today, however, other forms of state-organized crime pale in comparison to the crime of smuggling. During the occupation of Indo-China (Vietnam, Cambodia and Laos), the French government and. later, the American government conspired with local and international

narcotics dealers to smuggle drugs. Initially, the French depended upon opium smuggling to finance the colonial governments in Indo-China. In time, the opium and heroin production financed the French and the American wars against the Vietnamese. The U.S. government today engages in the criminal smuggling of military weapons to clandestinely support right-wing governments. These crimes are discussed in detail in Chapter13.

''آج سمگلنگ کے سامنے حکومت کے جرائم کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔انڈوچائنا (ویت نام' کمبوڈیا' لاؤس) پر قبضے کے دوران فرانسیسی حکومت اور بعد میں امریکن حکومت نے منشیات کے مقامی اور بین الاقوامی ڈیلروں سے مل کر منشیات سمگل کیں۔شروع میں انڈوچائنا میں نوآبادیاتی حکومتوں کے اخراجات چلانے کے لئے فرانسیسیوں نے افیون کی سمگلنگ کو ذریعہ آمدنی بنائے رکھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ فرانسیسیوں اور امریکنوں کی ویت نام کی جنگ کا خرچہ ہیروئن اور افیون کی پیداوار سے چلتا رہا۔آج کل امریکن حکومت غیر قانونی طور پر دائیں بازو کی حکومتوں کی اسلحہ کے ذریعے مدد کرتی ہے۔ان جرائم کا تیرھویں باب میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے''۔

امریکہ مجرمانہ عمل سے وجود میں آیا

مصنف لکھتا ہے:

The United States was born from criminal action. The revolution of the colonists against British rule was a criminal act according to existing law. The revolutionaries won the struggle and thereby converted their crimes into acts of heroism.[۲۶]

''امریکن حکومت مجرمانہ عمل سے وجود میں آئی۔امریکن کالونی کی انگلینڈ کے خلاف بغاوت اس وقت کے قوانین کے مطابق ایک مجرمانہ عمل تھا' لیکن یہ بغاوت کامیاب ہوئی تو امریکہ کے جرائم ہیروازم کے اعمال بن گئے۔''

یاد رہے کہ بغاوت کرنے والے لوگ انگریز نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ان کی

مادری زبان بھی انگریزی تھی اور مذہب بھی وہی تھا جو انگلینڈ والوں کا مذہب تھا لیکن انہوں نے اپنے ہی مادر وطن سے بغاوت کی' جبکہ کشمیریوں کا مذہب بھی ہندو مذہب کی ضد ہے' زبان بھی مختلف ہے اور ہندوؤں کی حکومت جو ظلم کشمیری مسلمانوں پر ڈھا رہی ہے وہ بدترین مظالم ہیں۔ کشمیری نوجوانوں کو دورانِ حراست قتل کر دینا' کشمیریوں کے مکانات منہدم کر دینا اور گھر گھر تلاشی کے دوران خواتین کی عصمت دری روزمرہ کا معمول ہے۔

جب برٹرینڈ رسل زندہ تھا تو اُس وقت کشمیریوں پر اس قدر شدید مظالم نہ ہوتے تھے' مگر اس نے یوں لکھا:

When one observes that the high idealism of the Indian government in international matters breaks down completely when confronted with the question of Kashmir, it is difficult to avoid a feeling of despair.

''جب انسان دیکھتا ہے کہ ہندوستان کی حکومت کا بین الاقوامی بلند نظریہ کشمیر کے معاملہ میں مکمل طور پر فیل ہو جاتا ہے تو انسان کا ناامیدی کے جذبات سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے''۔

حواشی

۱۶) رسل: نیو ہوپس فار اے چینجنگ ورلڈ' ص ۱۰۱' مطبوعہ ان ون ۱۹۶۸ء
۱۷) برٹرینڈ رسل: انڈر سٹینڈنگ ہسٹری
۱۸) تاریخ فلسفہ' ص ۳۱۷
۱۹) مغربی فلسفہ کی تاریخ' ص ۷۶۷
۲۰) شعبہ جرائم کی تحقیق' ص ۳۳۴
۲۱) شعبہ جرائم کی تحقیق' ص ۳۴۰
۲۲) شعبہ جرائم کی تحقیق' ص ۳۴۴
۲۳) شعبہ جرائم کی تحقیق' ص ۳۴۶' ۳۴۷
۲۴) شعبہ جرائم کی تحقیق' ص ۳۴۷
۲۵) ولیم جے چیمبلس: ایکسپلورنگ کریمنالوجی' ص ۷۸' ۷۹
۲۶) شعبہ جرائم کی تحقیق' ص ۸۲

امام اسرائیل بن موسیٰ بصریؒ

(م ۱۶۰ھ)

عبدالرشید عراقی

امام ربیع بن صبیح بصری کی طرح امام اسرائیل بن موسیٰ بصری نے بھی برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی شمع روشن کی۔ آپ کئی بار ہندوستان تشریف لائے۔ مؤرخین نے ان کو ''نزیل الہند'' کا لقب دیا۔

امام اسرائیل بن موسیٰ کا مولد و مسکن بصرہ ہے۔ یہ بھی امام حسن بصری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان کا شمار زمرۂ اتباع تابعین میں ہوتا ہے اور ان کی حیثیت اتباع تابعین میں گل سرسبد کی تھی۔

امام حسن بصریؒ کے علاوہ آپ نے امام وہب بن منبہ' امام محمد بن سیرین اور امام ابوحازم جیسے جلیل القدر ائمہ اسلام سے بھی استفادہ کیا۔ (۱)

ان کی ذات گوناگوں اوصاف و کمالات کی وجہ سے مرجع خلائق بن گئی تھی۔ اس لئے آپ سے بے شمار لوگوں نے اکتساب فیض کیا۔ مشہور امام حدیث حضرت سفیان بن عیینہ ان کے تلمیذ رشید تھے۔ (۲)

ان کے علاوہ امام سفیان ثوری اور امام یحییٰ بن سعید القطان بھی ان کے مایہ ناز شاگرد تھے۔ (۳)

امام اسرائیل بن موسیٰ کی عدالت و ثقاہت' امانت و دیانت' ذکاوت و فطانت اور حفظ و ضبط پر علمائے اسلام کا اتفاق ہے۔

امام یحییٰ بن معین' امام ابوحاتم' امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی اور امام ابن حبان نے ان کے ثقہ و ثابت ہونے کی گواہی دی ہے۔ (۴)

ہندوستان سے روابط

امام اسرائیل بن موسیٰ کے غیر منقسم ہندوستان سے بہت زیادہ روابط تھے۔ مؤرخین نے ان کو ''نزیل الہند'' کا لقب دیا ہے اور یہ بسلسلہ تجارت ہندوستان تشریف لاتے تھے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

وھو بصری کان یسافر فی التجارۃ الی الھند وقام بھا مدۃ (۵)

''وہ بصری ہیں' تجارت کی غرض سے ہندوستان کا سفر کرتے اور وہاں عرصہ تک مقیم رہتے تھے''۔

علامہ سمعانی لکھتے ہیں:

ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الھندی البصری کان ینزل الھند فنسب الیھا (۶)

''ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الہندی بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان آمد ورفت کی وجہ سے اس کی طرف منسوب کئے گئے''۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری نے بھی ''تاریخ کبیر'' میں ان کے ہندوستان آنے کا ذکر کیا ہے۔ (۷)

وفات

امام اسرائیل بن موسیٰ نے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ (۸)

حواشی

۱) میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۹۷
۲) فتح الباری' ج ۵' ص ۵۲
۳) تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۲۶۱
۴) میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۹۷
۵) فتح الباری' ج ۵' ص ۵۲
۶) کتاب الانساب' ص ۵۹۳
۷) تاریخ کبیر' ج ۱' ص ۵۶
۸) تبع تابعین' ج ۲' ص ۸۸

اسلامی قانون میں ارتداد کے مفہوم، اس کے موجبات اور اثرات و نتائج کو جاننے کے لئے
مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام حال ہی میں شائع ہونے والی نئی کتاب

اسلامی قانون ارتداد

کا مطالعہ کیجئے

مؤلف

جسٹس (ر) ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

مؤلف نے یہ کتاب اسلامی قانون میں مرتد کی سزا، مالی تصرفات پر پابندی، وصیت و میراث سے محرومی اور اس کی اولاد کے بارے میں متعلقہ احکام پر مرتب کی ہے۔ ان احکام کو قرآن و حدیث اور چھ اسلامی فقہی مکاتیب (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ، ظاہریہ اور شیعہ جعفریہ) کی مستند کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔

کمپیوٹر کمپوزنگ، رنگین سرورق، صفحات: 116، قیمت: -/48 روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: 03-5869501